ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ

دیوان مصحفی

۱۲

حصۂ اوّل

ماخوذ از دیوان اوّل و دوم و سوم مصحفی

مرتبہ

سید فضل الحسن حسرت موہانی اڈیٹر اردوئے معلی علی گڈھ

احسن المطابع واقع علی گڈھ میں طبع ہوا

قیمت حصۂ اوّل ۸ر

بار اوّل ۵۰۰ جلد

سنہ ۱۹۰۵ء

انتخاب غزلیات میں مندرجہ ذیل باتوں کی پابندی کی گئی ہے

ا - انتخاب اس طور پر کیا گیا ہے کہ دیوان کی صورت قائم رہے مثلاً منتخب غزلوں میں اصلی غزلوں سے اشعار کم ہیں لیکن غزل کی حیثیت بدستور باقی ہے - یعنی ایسا نہیں کیا گیا کہ مطلع مقطع غائب کر دیا جاوے یا صرف درمیان کے دو ایک شعر پیش کر دئیے جائیں -

ب - اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے زیادہ تر وہی غزلیں چھانٹی گئی ہیں جن میں منتخب ہونے کی حالت میں بھی غزل کی صورت باقی رہی ہے - یعنی جن میں کم از کم پانچ شعر قابل انتخاب مل سکے ہیں -

ج - حتی الامکان مطلع و مقطع ضرور قائم رکھا گیا - اسمیں شک نہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع اور بعض میں مقطع سست ہے لیکن اس سے دو فائدے ہوئے ہیں ایک تو یہ کہ غزل کی صورت قائم رہی - دوسرے یہ کہ شاعر کے گرے ہوئے کلام کا نمونہ بھی انتخاب میں موجود رہا - ورنہ بحالت دیگر دوسروں کو شاعر کے اصلی رتبۂ شاعری کے دریافت میں دقت ہوتی -

دیوان مصحفی

۱۹۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوندا نہیں مشتاق میں سرو صنوبر کا
جو روز حشر بھی سر پہ ہو سایہ پیمبر کا

جواب نامہ تو معلوم اسکے پاس سے آنا
کوئی پر اڑتے اڑتے شاید آ پہونچے کبوتر کا

غرض ہر قسم دیتے ہی رہے ہم دل کے ماتم میں
نہ سوکھا ایکدم رومال اپنے دیدۂ تر کا

سرشک آنکھوں سے گر پڑتے ہیں آ بیچ مجلس کے
چھلکنا جب کہ ساقی مجھکو یاد آتا ہے ساغر کا

گئی دن مصحفی ہمسائے تک سکھ نیند سو گئے
کیا نالوں نے تیرے کیا بپا ہنگامہ محشر کا

روز و شب دامن سا دیدۂ تر پر رکھا
ایک پھایا ہاتھ میں ناسور جگر پر رکھا

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ کل غیر نے بھی
ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا

لالۂ باغ چمن میں جو کوئی لائے گا
سینے وہ داغ اٹھا اپنے جگر پر رکھا

نہ دل دیکھ اسے ہاتھ سے جاوے یکبار
ایسے ہی نازنین ہاتھ اُن نے کمر پر رکھا

کیا برا ہے جو رہے مصحفی خستہ یہاں بیٹھا
تم بھی جانیو دربان سے بیٹھے در پر رکھا

جب تپاں اشک گرمی گویا دیدۂ تر پر رکھا
نام آنسو نے میرے سلک گہر پر رکھا

ماری بیتابی کے آیا میری مُنھ تک چند — دست تسکین میں بہت اپنے جگر پر رکھا
اُسکے آنکھونکو نہ دیکھا کبھی دیدار دل نے — جرم نظارہ عبث میری نظر پر رکھا
کیا کروں شکر ادا آپکے آنیکا کر رات — جو قدم تمنے کہ یہ دکھا میرے سر پر رکھا

مصحفی چاہیے کیا پھر اُسے اُٹھ چلنے کو
جس مسافر نے کہ دل اپنا سفر پر رکھا

شب جو اُسنے قدم اپنا میری سر پر رکھا — میں نے سر بہت اُٹھایا پہ وہ تر پر رکھا
تیری بیٹھے جو ہیں یاد ہی آیا کوئی کام — ہمنے موقوف اُسے وقت دگر پر رکھا
چونک اُٹھا وہ کہ تمھیں خیر ہے صاحب ایے واہ — شب جو میں دست خیال اُسکے کمر پر رکھا
چار ٹکڑے ہو میری داغ کا اُترا تھا کہ زلف — لیکے لالہ اُسنے اُسنے اپنے جگر پر رکھا

کچھ ادا دیکھی کہ کل کھینچ کے اُس کافر نے
تیغ کا مصحفی خستہ کے سر پر رکھا

آج کچھ سینہ میں دل ہی خود بخود بیتاب سا — کر رہا ہے بیقراری پارہ سیماب سا
جوں گل تر کیا ہوا اُس سے جھلکے ہی اُسکا بدن — وہ جو پیراہن گلے میں اُسکے ہوا ایک آب سا
میں ہوں یا در خلوت ہی اور پیش نظر معشوق ہے — ہی تو بیداری و لیکن دیکھتا ہوں خواب سا
کل شب تاریک میں جوں ہی ہوا وہ بے نقاب — جلوہ گر روی زمیں پہ ہو گیا مہتاب سا
کیا کہوں حسن و لطافت جامۂ شبنم سی ہائے — نکلا ہی پڑتا ہی وہ گورا بدن مہتاب سا

مصحفی کیوں لخت دل رو نیکی کھاتا ہی قسم
ہی نمایاں کچھ تو آنکھوں میں تیری خونناب سا

کیا جانے کیا کریگا یہ دیدار دیکھنا — ایکدن میں آئینہ اُسے سو بار دیکھنا
تنہا ہے جا بجا اصف مژگان یار سے — کیا زور ہے یہ دل بھی جگر دار دیکھنا
یہاں حسن کو ہی عشق سی آفت لگی ہوئی — ظالم کوئی نہو جو طرحدار دیکھنا

کھینچے ہے اپنی اپنی طرف زلف و خال و خط
کتنے ہیں ایک دل کے خریدار دیکھنا

شاکی ہیں اسکے جان و دل و دیدہ سب بہم
کس کس کے ہے وہ درپئے آزار دیکھنا

اب دیکھا ہمنے اسکو تو مر کے ہم سمجھے
یعنی ہمیں نہیں ہے سزاوار دیکھنا

جاتے ہیں ان کے ساتھ چلی جان عاشقاں
ان خوشقدوں کی خوبی رفتار دیکھنا

اتنی بھی میں تجھسے کہوں طرفہ ماجرا
سنتا ہی اسطرف کو نکلے یار دیکھنا (ق)

لیکن بشرط آنکہ تجھے میری ہی قسم
کیجو کسی سے اسکو نہ اظہار دیکھنا

کچھ ان دنوں ہیں آگو کے نسبت تیز ار فیق
بیطرح ہو چلا ہے بد اطوار دیکھنا

باور نہیں ہے تجکو اگر یہ مرا سخن
تو آپ جاکے تو بشب تار دیکھنا

پھیرے ہے اسکو خیر تو کہتا ہے اس سے پوچھ
کوئی کھڑا ہو پس دیوار دیکھنا

ایں اسطرح ہی بلکہ گر اُس شمع رو کے ملیں
ہے ہر کسی سے گرمی بازار دیکھنا

اپنی ارشتہ منو میاں تجکو کہہ چکے
ٹک تو بھی اپنے دلمیں تو یکبار دیکھنا

یا تو تو اپنے دام میں لا اسکو صبح و شام
یا جاکے کوئی اور طرحدار دیکھنا

بستے ہیں سب کے گھر مری یار بیٹھنا
بیٹھے بھی گا ہے جاکے تو ہشیار بیٹھنا

بیحد وہ اختلاط نکالا ہے تمنے واہ
آتے ہی پاس بیٹھے وہیں یار بیٹھنا

وہ تنگ ورکے آگے سو ان نے اٹھادیا
کیا فائدہ دلا پس دیوار بیٹھنا

بیٹھو نہیں کیونکہ چمن سے یار و کہ اندنوں
خاطر سے لے گئی ہے وہ رفتار بیٹھنا

ہوں گرچہ بیکفن پہ مجھے تیرے روبرو
سر کو جھکا کے شل کے ناگاہ بیٹھنا

اے مصحفی وہ دوست ہی دشمن ہے جان کا
تو اسکے پاس جاکے نہ زنہار بیٹھنا

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا
ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا

چمکی بجلی سی پر نہ سمجھے ہم
حسن تھا یا جمال تھا کیا تھا

شب جو دل دو دو ہاتھ اچھلتا تھا
وجد تھا یا وہ حال تھا کیا تھا

جسکو ہم روز ہجر سمجھے تھے
ماہ تھا یا وصال تھا کیا تھا

مصحفی شب جو چپ تو بیٹھا تھا
کیا تجھے کچھ ملال تھا کیا تھا

جسنے کل چشم کے افسانے کو آغاز کیا
جسکو سنتی بہت مرے خواب نے پرواز کیا

وصل میں ایسے سے ڈھونڈھے کوئی کیونکر تقریب
جن نے سو ناز سے ایسا ہی تو یا ناز کیا

میں اس انداز کے صدقے کہ جو کی مجھپہ نظر
دیکھتے ہی مجھے اُن نے نظر انداز کیا

گر کرے ناز تو اس حسن پہ زیبے ہے بجا
کہ خدا نے بھی بنا تجھکو بہت ناز کیا

مصحفی آفریں اس تیرے اشعار پہ ہے
کہ فصاحت نے تری ہند کو شیراز کیا

ملنے کا اُسکے جب کبھی کچھ ہمنے ڈھب کیا
سونا تو انہوں نے ہمیں جاں بلب کیا

کب وقت بوسہ لگے وہ دیتا تھا گالیاں
سنتے ہی منھ لگا کے اُسنے بے ادب کیا

ہوں اُسکے مرض یاد میں میں اسکا ان دنوں
جو کچھ پڑھا تھا سینے فراموش سب کیا

پیماں شکن تم آئے تو آگے تھے یہاں
جھوٹوں میں ایک نام کو مشہور اب کیا

اے مصحفی رہ و رسم نہیں اپنا آشنا
تو نے جو اسکو راہ میں ٹوکا غضب کیا

اُسکو منظور یاں نہ آنا تھا
شب کا آنا بھی اک بہانا تھا

یاد آیا ہم صفیر ابھی دل
وہ بھی یا رب عجب زمانہ تھا

اب کہاں ہم کہاں کہ سیر گل و قفس
کوئی دن واں بھی آب و دانہ تھا

دل صد چاک پر نگہ حسرت
رات زلفوں میں تیری شانا تھا

الفت میں اسکی گالیاں کھائیں
مصحفی تجھکو غم ہی کھانا تھا

ان آنکھوں سے آب کچھ نہ نکلا
غیر از خوناب کچھ نہ نکلا

ہو دل آئینہ سے آنکھ دیدہ وا دیدہ
پر اسکا حجاب کچھ نہ نکلا

تجھ بن جو ہوا کے اپنی سر سے
مانند حباب کچھ نہ نکلا

کرتا تھا بہت تو پیچ و دعوی
پر وقت حساب کچھ نہ نکلا

ہم سمجھے تھے جسکو مصحفی یار
وہ خانہ خراب کچھ نہ نکلا

ہے چاک گریباں تو داماں سے گذرا
ہیں شوریدہ اپنے گریباں سے گذرا

اگر درد دل میں ہے لذت سے یارو
تو ہیں ان طبیبوں کی درماں سے گذرا

کسی اپنے دشمن پہ ہرگز نہ گذری
جو مجھ پر شب ہجر یاراں سے گذرا

دہیں ہی اٹھی وہ جو مردے پڑے تھے
تماشا کناں جب وہ زنداں سے گذرا

نہ شستہ محبت کو سرسبز دیکھا
کبھی با خضر اس بیاباں سے گذرا

ہوئی فرش گل اسکے ہر ہر قدم پر
جو دامن کشاں وہ گلستاں سے گذرا

ہیں ایک نالہ ایسا کیا گل چمن میں
کہ شعلہ سا برگ درختاں سے گذرا

ہمہ آسودہ اس کشتہ رحل ہے
جو الفت میں تیری دل و جاں سے گذرا

ہوئی مصحفی پر عجب رنجت اسدم
وہ سکیں جو کوئے بتاں سے گذرا

زلفوں سے اسکے سینہ جب دل کہ ٹکڑے ہوا
ابر سیاہ آکر تربت پہ میری رویا

اسکے مزار پر تو آ آ کے رو رہا ایک شب
حسرت کو اپنے دلکی جو ساتھ لیکے سویا

شوخی تو دیکھ اسکی گل جھنکی لیتے لیتے
چٹکی کے ساتھ دل میں ناخن سے گڑو یا

تیری شہید وفا کے ہم از بس مزاج داں تھے
تربت پہ ہمنے اسکے یک لخت لالہ بویا

اے مصحفی یہاں بیٹھا اب کیوں نہ خاک چھانوں
دل سا عقیق مینے اوسکی گلی میں کھویا

اے عشق تو کام دل ناکام نہ دینا
اس دل کے تئیں ایکدم آرام نہ دینا

اس چشم کا دیوانہ ہوئیں کیا تو پری زاد
اس لطف پہ میرے تئیں دشنام نہ دینا

ملزم تیری باتوں ہی سے ہیں آپ ہی ہونا
اور مجھکو کسی بات میں الزام نہ دینا

تا کنج قفس میں ہی سکوں کیجیو بلبل
جی اپنا تڑپھ کر کے تہ دام نہ دینا

کچھ یہ ہی مداوا شب ہجراں میری نوبت
ساقی سے یہ کہتے رہو اب جام نہ دینا

قاصد یہ غضب ہے کہ جو اس کو میں پہونچا
سب اپنی ہی کہنا میرا پیغام نہ دینا

اے مصحفی یاد آوے تو تو رو لیا ہی کیجیو
پیتے ہوے آنسو کو کہیں تھام نہ دینا

جب اوس گل نازک کا دیدار نظر آیا
آنکھوں میں میری ہر گل جوں خار نظر آیا

ہے ٹپکی ہی پڑتی ہے آنکھوں سے تری الفت
تو آج بہت مجھکو سرشار نظر آیا

جو روٹھے نہیں سیدھے ہو اس کو چڑھیاں دو
مجکو کبھی پہلا سا یا یار نظر آیا

یکبارہ وہ تجھ پر ہی خنجر کو چلا بیٹھا
اے دل تجھے اب اوسکا کچھ پیار نظر آیا

کیا وصل میں پوچھے ہے رونے کا مرے باعث
دن مجکو جدائی کا اے یار نظر آیا

جب رخنے دل سے میں سینے کی طرف جھانکا
داغوں سے مجھے سینہ گلزار نظر آیا

اے مصحفی آنکھوں کا کس کے ہو نظر کردہ
تو اسکے بہت مجکو بیمار نظر آیا

کنج قفس میں جو کوئی مر گیا
ظلم بیاراں دگر کر گیا

اسنے نہ پوچھا مجھے تو کون ہے
جسکی اداؤں پہ میں مر مر گیا

مصحفی کو دیکھنے تھے ہم بھی رات
جب وہ تیری بزم میں چھپ کر گیا

موسم گل کو بچ نکر کر گیا — رنگ بہار اڑا جو سفر کر گیا
روز طرب گاہ وہ لایا پیام — گاہ شبنم کو سحر کر گیا

شمع صفت مصحفی اس بزم میں
جوں بنی ووں عمر بسر کر گیا

عشق مجھے اہل نظر کر گیا — اشک کے قطرے کو گہر کر گیا
رکھتے ہم سوتے ہی افسوس ہے — قافلہ صبح سفر کر گیا
آگیا میں سامنے اُسکے تو وہ — دیکھ مجھے نیچی نظر کر گیا
آکے مری خاک پہ کل گرد باد — دیر تلک خاک بسر کر گیا
دل نہ لگا اُسکا کہیں ایکبار — جو ترے کوچے سے گذر کر گیا
یاں سے مری سے نگذرا تو کیا — یار کا خنجر تو گذر کر گیا
پیار تو آیا تھا مرے جی میں رات — پر میں تری وضع سے ڈر کر گیا
لشکر خط لیکے جو آیا وہ شوخ — کشور دل زیر و زبر کر گیا
خنجر مژگاں پہ گرا لوٹ کر — دل بھی مرا زور جگر کر گیا
دیکھئے اب زیست مری کیونکہ ہو — زہر جدائی تو اثر کر گیا

رونے پہ آیا جو ہیں اے مصحفی
سیکڑوں رومال کو تر کر گیا

دل رات بٹ غم سے تری نالہ کناں تھا — سچ کہہ تو سہی یہاں کہ دشمن تو کہاں تھا
سوجھا نہ ہمیں خاک بھی کچھ اُلجھی سی — یہاں ورنہ ہر ایک ذرے میں خورشید عیاں تھا
اس حال سے گذرا کہ کیا کتنوں کو پامال — معشوق نہ تھا یہ تو کوئی آفت جاں تھا

جن روزوں کہ کھینچے تھا وہ تیر و کیا دا
میرا دل نون کی مشق تھی آشکار نشان تھا

معذور مجھے رکھیو تم ای قافلہ باشاں
مانند جرس دل سے الہی فغاں تھا

ایسا ہی گیا جاہل کہ پھر سُدھ نہ کچھ پایا
وہ سرو روان اپنی نظر پھر روان تھا

ہیں جام بلوریں میں شراب آنکھ پیالی
پیمانۂ گل جس کی نزاکت پہ گراں تھا

جی دیسنے میں حرف نکلا پھر کسی سے
ہر چند کہ اس بات میں اپنا ہی زیاں تھا

سب نے خبر عشق کی شب ...
تم آپ ہی سوچو میاں وہ میں کہاں تھا

کب ہے کہا تو نے مجھے دیدار دکھا جا
تا اس کے لبوں پر دل سے آواز سنا جا

ہے منزل مقصود ابھی دور دلیو اسنے
کیا دیکھے ہے پیاسے کو شتابی سے پلا جا

مجروح تغافل نکر اے شوخ تو اسکو
پھولوں جیسی جو آوے تو کوئی زخم لگا جا

کیا شمع ہے تیری کہ پر حسن آوے تو کر پار
منظور ہے تیرے جو پتنگا تو دلوں پہ بات کہ جا جا

... گردن کٹی اس شوخ نے دست کر
سب بیٹھ کے وہ تلوار لو کر دل کو کہنا سا

غیر ہی کو شہ فلک نے اسکا ہمپہلو کیا
رشک کو میری کہ اس نے ... یا زو کیا

جب مصور نے لکھا گر یا تری تصویر کا
لالہ و گل کر کے حل حرف اسمیں گفتگو کیا

گو ہیر سلطان کی خولی فلک میں ملیا نگی
گر روان سینے کی پلکوں پہ کوئی آنسو کیا

وصلے جو سوچ اٹھی میرے اسکو بر عشق نے
چین پیشانی بنایا یا تم ابرو کیا

اس چمن ہی نام نہیں شرمندہ ایک گل کو نسیم
گو کرا اور دل سے داغ آرزو خوشبو کیا

چمن ہی جاتا رہا ہو دیکھیے حیران ہوا
اس نے گل آنکھیں لڑائیں جیسے جادو کیا

سو ڈریں ... صنم ... آئینہ ...
اس ... مژگاں نے اپنا ... گو رو کیا

چسکے نہ لگا زخم تری کج نظری کا
کیا ہووے الم اسکو خراش جگری کا

کل قافلۂ نکہت گل ہوگا روانہ
مت چھوڑیو تو ساتھ نسیم سحری کا

کہتے ہیں جسے اہل جہاں شور قیامت
سوشیں قدم ہے وہ تری جلوہ گری کا

از بسکہ عزیزوں نے مجھے دلسی بھلایا
خط مجھکو نہ آیا کسی یار سفری کا

پامال ہوا جاسے ہے خورشید درخشاں
ہر کفش پہ از بسکہ تری کام زری کا

ہے جن میں کہ بیجنہ خبر اپنی نہ لیجے
کہتے ہیں کہ عالم ہے عجب بیخبری کا

اے مصحفی میں خط تو لکھوں لیک ہے اتنا
ہر مرغ کو ہے حوصلہ کب نامہ بری کا

جن روزوں کہ رنگ آنکھوں کا اپنی جگری تھا
ہر لخت جگر رشک گل برگ تری تھا

یوں جاتے ہوئے کر گیا پامال جو مجھکو
ہاں تھا تو وہ لڑکا ہی پہ تصویر پری تھا

میں کرکے چلا جاتیں ادھر اُس شخص سے وہیں
پوچھا جو کسی نے تو کہا رہگذری تھا

گل رشک سے جلتے تھے پڑے عود کے مانند
جن روزوں کہ جامہ ترے بر میں اگری تھا

وہ چھوڑ گیا مجھکو پس قافلہ تنہا
جس ساتھ مجھے داعیۂ ہمسفری تھا

شب جس سے رہا دل میں مرے دغدغۂ اٹھوں
وہ صبح تلک سست بیخبری تھا

پایا نہ جگے مصحفی ہیں صبح کے ہوئے
اے سوختہ جاں کیا تو چراغ سحری تھا

چھپایا تنے منھ ایسا کہ بس جی ہی تو جلا ڈالا
تغافل نے تمہاری خاک میں ہمکو ملا ڈالا

کہے تو کیل لڑکوں کا ترے یہ یعنی مستورے
جو نقش اس صفحۂ ہستی پہ کھینچا سو مٹا ڈالا

حجاب عشق ہی ملنے کا مانع ورنہ عاشق کو
رہے ہے شرم کسکی دل سے جب خطرہ اٹھا ڈالا

نہ اٹھا حشر کو بھی اسکے تیغ ناز کا مارا
کیا خوں اسنے ایک عالم کا اور وہیں چھپا ڈالا

مرض تھا مصحفی کو صعب تر خوب ہی چھپا
کہ جوں توں آپ اسنے ترے کوچہ میں لا ڈالا

قاصد جب اُسکے پاس مرا نامہ لیگیا
پوشیدہ کرکے سب سے وہ علامہ لے گیا

پایا نہ اس چمن سے کسی نے لباس عیش
جو گل گیا سو غنچہ نہیں ڈھب کا جامہ لے گیا

مطرب پسر کے دست درازی کو عشق ہے
باتوں سے شیخ شہر کا عمامہ لے گیا

جو نالہ میری دل سے اُٹھا شور کرکے رات
وہ جیسے تیغ پری حشر کا ہنگامہ لے گیا

ہرچند مصحفی میں جدا ہر رقم سے قسم
پر موتیوں کی آب مرا خامہ لے گیا

جوں سایہ اُسکے پیچھے میں برسوں لگا پھرا
لیکن نہ اُسکا رخ کبھی سوے قفا پھرا

رویا چمن میں رات میں اتنا کہ جوں حباب
پانی میں آشیانہ بلبل بہا پھرا

مشت غبار اپنا تیری جستجو کے بیچ
آوارہ ہوکے ہمرہ باد صبا پھرا

میں جسکے راہ شوق میں پامال ہوگیا
وہ بھول کر بھی خاک پہ میری نہ آ پھرا

مارا گیا نگاہیں تیری مصحفی دریغ
اُس کشتنی کے سر سے نہ تیغ قضا پھرا

تو جس شب کہ جا غیر کے پاس سویا
میں تکیے کو تیرے گلے لگ کے رویا

شہر ایک کو پیارے دکھا وضع اپنی
کہ اس وضع کا ایک عالم ہے جویا

تیری ہاتھ دیکھے حنا سے بھی سادی
دل اپنے کو میں ہاتھ سے مفت کھویا

نہ سبزہ ہوا دانے رُخسار پیدا
میں جب خاک میں اشک کا دانہ بویا

مجھے خواب آرام اُس رات آئی
کہ خنجر تیرا میرے پہلو میں سویا

تجھے جب کہ ہمزانوئے غیر دیکھا
سر اپنا میں زانو پہ رکھ خوب رویا

گیا مصحفی تیرا شور فصاحت
فلک تک تو نالہ فغاں ہے گویا

زلفوں کی برہمی نے بہم جہاں مارا
پلکوں کی کاوشوں نے سینوں کو چھان مارا

قطعہ

ہرگز وہ دست باد و ہلتے کبھی نہ دیکھے — جو تیر اُسنے مارا سو بیگمان مارا

سچا تو ہو گیا میں ٹک بارے عاشقوں میں — صد شکر مجکو تونے کر امتحان مارا

جوں مرغ صبح بولا صد سے یہ دلکو پہونچا — جیسے کسو نے میری چھاتی پہ بان مارا

جو جامہ زیب گذرا مثل صبا ادہر سے — آتش پہ اُسنے دامن میری ندان مارا

ہر یک نگاہ تونے تیغ جفا علم کر — جسدم نہ مصحفی کو اے بدگمان مارا

لاشے پہ اُسکے ہردم کہتے ہیں لوگ آکر — کیا مفت میں گیا ہے یہ نوجوان مارا

در میاں میں نقاب کسدن تھا — پھر ہی اسکے حجاب کسدن تھا

لطف کرتے تھے مجھ پہ تم ہر دم — جان من یہ عتاب کسدن تھا

آہ جاتی تھی سعی سے لب تک — نالہ پا در رکاب کسدن تھا

حادثے ہوتے تھے زمانے میں — اسقدر انقلاب کسدن تھا

کشور بخت تیرہ روز نہیں — جلوہ گر آفتاب کسدن تھا

مصحفی آج تو قیامت ہے — دلکو یہ اضطراب کسدن تھا

مشتاق ہی دل بوسہ اُس غنچہ دہن کا تھا — یارو میری اور اُسکے کیہ بیچ سخن کا تھا

وہاں بالوں میں وہ مکھڑا جاتا تھا چھپا کم کم — یہاں حشر میرے دل پہ ایک چاند گہن کا تھا

پروانیکی ہمت کے صدقے تھے میں کہ دی شب وہ — اس بے پروبالی پہ قربان لگن کا تھا

میں اُس قد و عارض کو کر یاد بہت رویا — مذکور گلستاں میں کچھ سرو و سمن کا تھا

جوں اشک سر مژگاں ہم پھر نہ نظر آئے — ازبسکہ یہاں وقفہ ایک چشم زدن کا تھا

دو پھول کوئی رکھکر گذرا تھا جو کل یاں سے — تربت پہ میری بلوا مرغان چمن کا تھا

شب دیکھ مہ تاباں تھا مصحفی تو حیراں — کیا اسمیں بھی کچھ نقشہ اُس سیم بدن کا تھا

تمہارے وعدوں پہ ہمکو تو اب نہیں ٹھہراؤ — اگر نباؤ کوئی امیدوار ٹھہریگا

ملے نہ دفن کو دستہ جو تو کوئی یارو
زمین میں مصحفی بیقرار ٹھہریگا

کس سے سیکھا ہے میاں تمنے مٹک کر چلنا — آتش خفتہ پہ دامن کو جھٹک کر چلنا

شاخ گل صدقے ہے اس تیرے قد نازک کے — اسنے پایا ہے کہاں ایسا لچک کر چلنا

اسکے رفتار کے بل بیچ کوئی کیا طاقت — برق ہی سیکھ گئی جس سے چمک کر چلنا

فتنۂ تازہ زمانے میں ہوا ہے پیدا — اسکے آگے سے تو اے فتنہ دبک کر چلنا

مصحفی چاہے ہے گر حسن تجلے دیکھی
ایک ذرا اسکے گلے سے تو لٹک کر چلنا

جب عارض گل رنگ سے خط اسنے نکالا — بلبل نے کہا سبحان اللہ تعالیٰ

رو بات کا ہرگز نہیں اس بزم میں مجکو — جوں آئینہ ایک میں بھی ہوں ششدر دیکھنے والا

اوس چشم کی گردش تو بہت لے ہی گئی تھی
پر مصحفی میں اپنے تئیں زور سنبھالا

آج کیا جانے مری کون نظر سے گذرا — ناوک آہ جو یکبار جگر سے گذرا

پیچ تاب کمر و زلف سے گھبرا کے وہ شوخ — اسپہ کیا ہائے میں اس زلف و کمر سے گذرا

شمع اس چہرہ پر نور سے کیا روکش ہو — رشتۂ حسن میں جو شمس و قمر سے گذرا

مند گئیں آنکھیں مری راہ ہی تکتے تکتے — ایک کافر نہ کبھو ہوکے ادھر سے گذرا

ہمتو دیوانے ہیں اس شخص کے جینے شب ہجر — سر رکھا خشت پہ اور بالش پر سے گذرا

مصحفی شمع کے مانند میں اس بزم میں رات
یاں تلک رو دیا کہ دریا مرے سر سے گذرا

اس راہ سے جو ہوکر کل تو ذرا نگذرا — کیا کیا ہمارے جی میں اے بیوفا نگذرا

قاصد کا منھ تو دیکھو لگا واں قدم کو	جسکی گلی میں اب تک پائے صبا نگذرا
اے مصحفی وہ شب تو تنہا ملا تھا تجھے کم بخت تو ہی چوکا جو جی چلا نگذرا	
دیر تک اپنے شہیدوں پہ نظر کرنا تھا	سرسری تجکو نہ مقتل سے گذر کرنا تھا
گر لب جام کے شایستہ نہ تھا ای قاتل	لب خنجر تو میری لوٹسے تر کرنا تھا
لیگیا دلکو مری یار نظر سے جسوقت	ہائے کچھ مجکو بھی اسوقت ہنر کرنا تھا
جوں صبا طرف آوارہ پڑا پھرتا ہوں	میری قسمت میں مگر خاک بسر کرنا تھا
تیغ قاتل کو میں کیوں ہاتھ پہ روکا افسوس مصحفی میرے تئیں سینہ سپر کرنا تھا	
اک برق کا سا جھمکا اس مہ لقا سے دیکھا	میں کیا کہوں کہ اسکو کل کس ادا سے دیکھا
صحبت رہی یہ اس سے اپنی کہ ملگئے جب	اسنے جھکا دیں آنکھیں میں نے حیا سے دیکھا
غیرت سے باغباں کو پھرتیں کہ ہمنے	سو بار گل کو ہنستے باد صبا سے دیکھا
اے مصحفی بتو نہیں ہوتی ہے یہ کرامت دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا	
معالجہ ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار رونیکا	کہ ان آنکھوں کو ایک مدت سے ہے آزار رونیکا
میں آنسو پونچھتا ہوں اسکی مجلس میں بہت آنکر	وہ لے چھپتا ہے کوئی دیدہ و رخسار رونیکا
مجھے رہتا سنا لیکن نہ [illegible] ابھی کہا اسنے	کہ ہے یہ شور سا کیسا پس دیوار رونیکا
سرشک آنکھوں میں ہے تو یہ تو بھی انکو تیاا [illegible]	چلا جا ہی تو چل ہے قافلہ تیار رونیکا
ہنسی آتی ہے تیری بات پر ای مصحفی مجکو نکر تو ذکر میرے روبرو ہر بار رونیکا	
ازل کے روز سے سررشتہ گم تھا زار رونیکا	ان آنکھوں ساہی نے آخر کو نکالا تار رونیکا

مرے نالوں کو سنکر کوئی صاحب دل ہی رو دیگا
بنایا سنگدل جسکو نہیں زنہار رو دیگا

میں سو سو بار دشمن ہمنشیں کا ہیکو پیرووں
نکل جاوے بخار اس دل سے گر یکبار رو دیگا

کبھی اشک اور گاہے خون دل آنکھوں سے ٹپکے ہے
نہایت گرم ہے کچھ ان دنوں بازار رو دیگا

کسی دن مصحفی گذرے ہے جو کچھ تجھ پہ کہہ اُس سے
بھلا کیا فائدہ پیش در و دیوار رونے کا

اس دل میں تیری ملنے کا ارمان رہگیا
یہ دل تڑپ تڑپ کے میرے بیجان رہگیا

سمجھے وہ مرغ خستہ مرے اضطراب کو
سینے میں جسکے ٹوٹ کے پیکان رہگیا

نازاں تھا اپنے حسن و صفائی پہ آئینہ
صورت کو تیری دیکھ کے حیران رہگیا

آیا بکار بخیہ زخم اپنے ہاتھ سے
ثابت جو کوئی تار گریبان رہگیا

دنیا سے ہم چلے گئے ناچار مصحفی
ایک یادگار اپنا یہ دیوان رہگیا

کل میں جو راہ میں اُسکو پہچان رہگیا
پھر وہ بھی مجھکو دیکھ کے حیران رہگیا

شہر عدم کو قافلے لاکھوں گئے ولے
چل چل کے نت میں بے سر و سامان رہگیا

شوخی تو دیکھ تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہگیا

دیکھ اُسکے تنگ پوشی کو نجابت سے باغ میں
ہر ایک غنچہ سر بگریبان رہگیا

مارے خوشی کے کود پڑا میں تو مصحفی
شب پاس میرے اوسکا جو دالان رہگیا

جس کشتہ کا زخموں میں ہو چور بدن سارا
خونیں ہی بھرے کیوں کر پھر اُسکا کفن سارا

زلف ہمہ مشک اسکی خوشبوئی پہ کیا کم ہے
جسکی لٹ کے حلقوں میں بستا ہے ختن سارا

گر شمع کے رونے پہ ایسی ہی رہا ہنسی
جل جائیگا او ہوسی ناصح لگن سارا

اُس گل کا پتا دال بھی ہر گز نہ ملا مجھکو
جوں باد صبا ڈھونڈا ہے میں نے چمن سارا

اے مصحفی تو وہاں سے کیوں روٹھ کے اٹھ آیا
دیوانے تیری خاطر کڑھتا ہے وطن سارا

آہی دم شمشیر سے بیان ہم پہ دم اپنا
کس واسطے کرتا ہے تو تیغا علم اپنا

شوریدگی ہو لاکہی فزوں جلوہ کو تکرار
رخ اسے دکھایا کرو تم ہمکو کم اپنا

اس شکل سے کعبے کو نجا ورنہ ہر اک یاں
سر پیٹ نکل جاوینگے اہل حرم اپنا

ہوتے سو گرفتار ہویاں تازہ الم میں
لیجاویں سو کس پاس کہو ہم الم اپنا

اے مصحفی مدت سے غم عشق بتاں میں
مشغول ہیں اتنے کہ نہیں ہمکو غم اپنا

شمع پر پروانہ شب جس وقت جلکر رہگیا
دیکھ کر اسکو میں اپنے ہاتھ ملکر رہگیا

کیا کہوں برگشتگی اپنے نصیبونکی میں ہائے
کل کٹار اسکی کمر سے کچھ اُگل کر رہگیا

کھینچکر تلوار جوں میرے وہ آیا سامنے
میں ستم نادیدہ اُس ساعت دہلکر رہگیا

کل اگر میں لیچلا تہا سیر گلشن کی طرف
کچھ سمجھ کر ساتھ سے میرے وہ ٹلکر رہگیا

جس جگہ ڈوبا تہا کل دریا کے اندر مصحفی
اُس جگہ کہتے ہیں پانی سا اُچھلکر رہگیا

خدا جانے پڑا دل کسکے اس انداز دامانکا
کرے ہے چاک کفن کی شکل چاک اسکے گریبانکا

شب مہتاب ہے چپ کیا کیا تہیں یکہکر کہا ہے
بکہرنا چاندسی مکہڑے پہ اُس زلف پریشانکا

کبھی ہے تو محبت ای عشق مجھکو یہ بتایا نہیں
بتایا نہیں لگی ہے دل بھلا کس خانہ ویرانکا

بہار آئی خدا جانے کہ کیا گذرا اسیروں پر
نہیں معلوم کچھ ابکی برس احوال زندانکا

بھلا ای چشم گریاں تجھسی ہم یہ چشم رکھتے تھے
ہمارے زخم پر کیوں تو نے منہ کھولا نمکدانکا

کیا ہے تیغ نے جوہر کو جوہر دار قاتل نے
خم ابرو پہ یہ عالم نظر آتا ہے افشانکا

تجھے اے مصحفی کب ہے خبر درد محبت کی
نہ لے تو آگے میرے نام ای بیدرد درمانکا

ساقی شراب لایا مطرب رباب لایا — مجھ پر تو ایک قیامت عہد شباب لایا
دل درد و غم کی اسکے آخر نہ تاب لایا — یہ ہر گھڑی کا رونا اور اک عذاب لایا
کیا روسیہ ہو جو پردہ رخ سے تیرے اٹھا دے — جو جلوے میں مہر و مہ کو جو بے نقاب لایا
کہتا تھا میں اے دل مت جا تو اس گلی میں — آخر تو مجھ پہ آفت خانہ خراب لایا
اے عاشقو مبارک ہو تمکو عید قرباں — پہونچے کا اپنے دیکر وہ آب لایا
آئینہ کیا کہ ہنسنے تیرے پر گر نظر کی — چہرے پہ اپنے وہ بھی اک آب و تاب لایا

اے مصحفی تو اب منہ کیا دیکھتا ہے کہ بھی
ہو آپ پارسا ساقی جام شراب لایا

آساں نہیں ہے تنہا در اوسکا باز کرنا — لازم ہے پاسباں سے اب ہمکو ساز کرنا
از بسکہ خون دلکا کھاتا ہے جوش ہر دم — مشکل ہوا ہے ہمکو اخفائے راز کرنا
بابک نیاز اوس سے کیونکر کبھی برآوے — آتا ہو جس طرح سے جسکو کہ ناز کرنا
کرتے ہیں چوٹ آخر یہ آہوان مست — آنکھوں سے اون کی اے دل لازم احتراز کرنا

اے مصحفی ہیں دو چیز اب یادگار دوراں
اوس سے تو ناز کرنا تجھسے نیاز کرنا

ہجراں نہیں اسکے مجھ پر عذاب الیم تھا — ہر شعلہ آہ کا میری نار جحیم تھا
کرتے تھے گل ہزاروں میری شگفتگی — یعنی کبھی ادھر بھی گذار نسیم تھا
ابتدائی عشق بعد خدا جانے کیا ہے — جبتک حجاب تھا ہی امید و بیم تھا
کس لطف مشکفام کی بو تھی کہ باغ میں — ہر ایک غنچہ نافہ عنبر شمیم تھا

باندھی تھی تیغ وار سر دشمن پہ مصحفی
اور میرا مارے رشک کے یاں دل دو نیم تھا

خورشید کو سایہ میں زلفوں کی چھپا رکھا — چتون کی کہا شوخی نشتر کو لگا رکھا

سویا تھا لپٹ کر میں اُس ساتھ ولے اُسنے
پہلو سے میری پہلو تا صبح جدا رکھا

قاصد جو گیا میرا لے نامہ تو ظالم نے
نا خستہ کے کتنے پرزے قاصد کو بٹھا رکھا

کس لب کی تبسم نے چھڑکا تھا نمک اُن پر
زخموں کو الم نے شب تا صبح ہرا رکھا

کیا جانیے کب کا تھا میرا یہ فلک دشمن
جو اُس مہ تاباں کو نت مجھسے جدا رکھا

دیکھ اُسکی ادا یارو میں مر ہی گیا میں تو
جوں ہاتھ کو قاتل نے قبضے پہ ذرا رکھا

اے مصحفی میں کسکی رفتار کا کشتہ تھا
ہر شعر میں جو میں نے انداز نیا رکھا

بچا گر ناز سے تو اُسکو پھر انداز سے مارا
کوئی انداز سے مارا تو کوئی ناز سے مارا

اسیکو گر دی تقریب پتے اپنے لگا رکھا
کسیکو منہ چھپا کر نرمی آواز سے مارا

غزل پڑھتی تھی مطرب بیخودی کی آج حالت
کہ اُسنے ساز مارا سر سے اور سر ساز سے مارا

نکالی رستم تیغ دلشت دنیا میں خبر اک اللہ
کہ مارا تو نہیں تو نے پر ایک اعزاز سے مارا

نہ اُڑتا مرغ دل تو چنگل شاہیں میں کیوں پھنستا
گیا بیچارہ اپنی خوبی پرواز سے مارا

جہانتک سازواری تھی لگی دشمن کی طالع میں
ہمیں بدنام کر کے طالع ناساز نے مارا

پھر ایجاد رنگ اُسکی خون کو یارو انکو دکھلائے
جب اُسنے مصحفی کو اپنی تیغ ناز سے مارا

جس دم کہ وہ گھر میں سے کر کے سنگار نکلا
جس رہگذر سے نکلا عالم کو مار نکلا

الٰہی زبان جو اپنی جنبش میں نزع کے دم
تیرا ہی نام منھ سے بے اختیار نکلا

کم بخت دل نے ہرگز میرا کہا نہ مانا
آخر گلی سے اُسکی ہو بیوفا ہی نکلا

میں ضبط تو کیا تھا اپنی تئیں بہت سا
آنکھوں سے خون دل کا یہ جوش مار نکلا

تہمت ہے مصحفی پہ سیر چمن کی یارو
کب گھر سے اپنے باہر وہ سوگوار نکلا

شعلۂ آتش پہ جیب میں اپنا داماں رکھدیا
پرزے پرزے کرکے دیوانے بھی گریباں رکھدیا

جب قسم کھانے لگا میں اختلاط غیر کی
دور کر کافر نے میرے سر پہ قرآں رکھدیا

جب حنا کا تھا ہاتھ رنگین اُسنے عاشق کی انہیں
پڑھتے پڑھتے ہاتھ سے بھر گلستاں رکھدیا

کیا لذا آیا مجھے اُنمیں کہ بیٹھے روز و جمل
اب تلک لیجا کے بام آب حیواں رکھدیا

عشق کی ہاتھوں سی جلتا ہوں کہ سینے پر میرے
گرم گرم آتے ہی اُسنے داغ ہجراں رکھدیا

جیسے گل ڈالی پہ ہو ایسے نظر آیا وہ تن
پاتے پاتے ہاتھ اُسنے جیب پر پیوند ہاں رکھدیا

مصحفی بار امانت کا نہ تھا حامل کوئی
اسلئے اس بوجھ کو بر فرقِ انساں رکھدیا

یکچند اُسطرف جو میں جانے سے رہگیا
رنگ رنگ وہ بھی کچھ ادھر آنے سے رہگیا

اُسکی نگاہ مست نے مجھکو چکا دیا
ساقی تو کیوں شراب پلانے سے رہگیا

وہ لالہ رو نہ بہت ملا مصحفی دریغ
یہ داغ میرے دل پہ زمانے سے رہگیا

آیا جو یاں سو وہیں بہانے سے اُٹھ گیا
آسودگی کا حرف زمانے سے اُٹھ گیا

دیوانہ بہار جو تھا اسمیں بہار میں
صحرا کو تو بہار کے آنے سے اُٹھگیا

ہرگز نہ مصحفی کا رہا خاک بھی نشان
نقش قدم کی طرح زمانے سے اُٹھ گیا

تیر کرشمہ دل سے میرے پار ہو گیا
آنکھیں لڑیں تو یہ جگر افگار ہو گیا

ظالم خدا کیواسطے اب تو ہی درگذر
سینہ جراحتوں سے تو گلزار ہو گیا

دل سے خبر نہیں ہے مجھے اُسکی مصحفی
آنکھو نہیں تو اشارہ کی یار ہو گیا

رخ پہ عالم ہے یہ زلفوں کی پریشانی کا
جوں پڑے روز پہ پردہ شبِ ظلمانی کا

جیٹھ تھا سلسلہ زلف سے مجھکو سروکار
عشق باعث تھا مری سلسلہ جنبانی کا

ہوگیا حلقۂ زنجیر اُسسے کام نہنگ کا
پاؤں بیڑی سے نہ نکلا تیری زندانی کا

مصحفی جھوٹھ ہی کیا ریختہ گوئی میں تجھے
ہوں تو میں مور پہ دعوا ہے سلیمانی کا

اُسنے جسوقت کہ خال اپنے زنخداں پہ رکھا
داغ ایک اور مرے سینۂ سوزاں پہ رکھا

آگیا یار کا دامن جو مرے ہاتھ کبھو
میں نے رومال سمجھ دیدۂ گریاں پہ رکھا

تو خراماں جو ہوا باغمیں گل نرگس نے
اپنی آنکھوں کو ترے گوشۂ داماں پہ رکھا

مژدۂ قتل نہ پہونچا جو مجھے زنداں میں
رکھ کے میں اپنا گلا خنجر براں پہ رکھا

مصحفی لعل لب اوسکی کی کروں کیا تعریف
جسنے سو بار سخن لعل بدخشاں پہ رکھا

رات پردے سے ذرا منہ جو کسو کا نکلا
شعلہ سمجھا تھا اُسے میں پہ بھبوکا نکلا

مہر و مہ اُسکے تئیں دیکھ کے حیران رہے
جب ورق یار کی تصویر دو رو کا نکلا

یہ ادا دیکھ کے کتنوں کا ہوا کام تمام
نیمچہ کل جو ٹک اُس عربدہ جو کا نکلا

مصحفی ہمتو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیری دلمیں تو بہت کام رفو کا نکلا

شب تری کوچیں کوئی کہتے ہیں کہ مر رہگیا
تو نہ آیا اور وہ مسکین آہ بھر کر رہگیا

لو گیا پیارے سفر کو چھوڑ کر میرے تئیں
رشتۂ رفتہ میں ترے جی سے بسر کر رہگیا

اب جو بھولے سے ادہر آتا نہیں اُسکا خیال
ہائے کیا وہ ہی کہ جیکے جی میں گھر کر رہگیا

مُنہ پھرا کر جب چلا وہ مجھ سے ہنگام وداع
اُسکے پھرنے پر میں حسرت کی نظر کر رہگیا

وصل کی شب آتے ہی مجھ سے جو وہ لڑنے لگا
کام اپنا کچھ جو سنوارا تھا سو ور کر رہگیا

٦

کیا کہوں حالت وداع یار کی اے مصحفی
منھ لیا اُسنے پھرا میں چشم تر کر رہگیا

کہوں کیا ہجر میں صبر و شکیبائی پہ کیا گذرا
گئی طاقت کہ ہر تن کی توانائی پہ کیا گذرا

تری زلفوں کی رعنائی جو دیکھی رات گلشن میں
کہوں کیا طرۂ سنبل کی رعنائی پہ کیا گذرا

ہوئی وہ شہرۂ چشمہ شہر و حیا اس بن
نہیں لیلی کو کیا ہوا اُسکی صحرائی پہ کیا گذرا

غرض دل ان نے سو حصے کیے اُٹھا کر چند اپنے
نشاں شبہا ہیں میری جبین بینائی پہ کیا گذرا

نہ پوچھا تُو نے یہ مصحفی اتنا ہی کافر نے
کہ اُس عزلت نشیں کنج تنہائی پہ کیا گذرا

میں زلف منھ میں لی تو کہا مار کہا ئیگا
جو میں چھو ہوں تو بولا کہ تلوار کہا ئیگا

دامن ترا نیگا گریبان عاشقاں
گر یوں ہی ہے ٹھوکریں یا دم رفتار کہا ئیگا

زہر جو ہے کسکا کہا وہی اُس ابرو کی تیغ کو
گر کہا ئیگا تو ہماسے گردار کہا ئیگا

عصمت میں اُسکی شک نہیں لب یار میں
اسباب کی قسم پہ گنہگار کہا ئیگا

ہر طرف تجھسے میں کئی دن سے مصحفی
پوچھیو تو کوئی کچھ بھی یہ بیمار کہا ئیگا

میں تو دیکھا نہیں اس جلوہ گری کا سونا
اُسکی سونے میں تو شکلے ہے پری کا سونا

ایک دن ذرا دیکھو اُس رشک پری کا سونا
میں تو دیکھا نہیں اس بیخبری کا سونا

لگ گئی سایۂ دیوار میں یوں ہمکو اجل
بر سر راہ ہو جوں رہگذری کا سونا

رات کو سیر کرے مجلس معشوقاں کی
جیسے دیکھا ہو بہم حور و پری کا سونا

مصحفی اب تو مری جان کہیں آنکھیں کھول
صبح محشر ہوئی اس بیخبری کا سونا

شب ہجراں یہی میں تھا اور تنہائی کا تھا عالم
غرض اُس شب عجب اپنے سر و پا ئیکا عالم

گریباں غنچۂ گل نے کیا گلشن میں سو ٹکڑے
کہ ہر فندق پہ اُسکی طرفہ رعنائیکا عالم تھا

حنا بن لو لگا دیکھے وہ عالم کہا رہا ہے اب
ہمارے خون سے جو ہاتھ پہ زیبائیکا عالم تھا

چلا جب شہر سے مجنوں طرف صحرا کے یوں بولا | لئے بیٹھے تو اس عالم میں رسوائی کا عالم تھا

یہ عالم ہمنے دیکھا مصحفی ہاں اپنی آنکھوں سے
کہ پیدا جیسے اُس معشوق ہرجائی کا عالم تھا

کیوں کھینچ کے تیغا مری ایکبار لگایا | اب تجھکو گلے سے ہیں ستمگار لگایا
کاغذ جو شکایت کا تری ہمنے لکھا تھا | کوچہ میں ترے جا سر دیوار لگایا
گذرا وہ مری خاک سے سو بار ولیکن | دامن نہ زمیں کو کبھو رفتار لگایا
صیاد نے کیوں رخنہ دیوار چمن سے | روئے قفس مرغ گرفتار لگایا

اے مصحفی ہیں مرد وہی یار جنہوں نے
دل قحبہ دنیا سے نہ زنہار لگایا

غم ترا دل میں مرے پھر آگ سلگانے لگے | پھر دھواں سا اس سے کچھ اُٹھتا نظر آنے لگا
عشق کے صدمے سے اُٹھائے ہیں بہت پر کیا کہیں | اب تو ان صدموں سے کچھ جی اپنا گھبرانے لگا
بس سہی کچھ بے صبر و طاقت عشق میں انکے نہیں | دل ہی اب بیطاقتی کو کام فرمانے لگے
دیکھتے ہی اُنکے کچھ اُنکی یہ حالت ہوگئی | جو مجھے سمجھاتا تھا میں اُسکو سمجھانے لگا

مصحفی میں تو نہ لکھتا تھا ولے شوق فضول
اس زمیں میں پھر غزل ایک مجھسے لکھوانے لگا

سن اُسکا اب سماں کچھ اور دکھلانے لگا | چاند سا پردے سے وہ مکھڑا نکل آنے لگا
یا وہ عالم تھا کہ کوئی اُس سے واقف ہی نہ تھا | یا یہ عالم ہے کہ عالم اُسپہ مرجانے لگا
عشق سے میرے جو گھبرایا تو پھر ناچار ہو | آنکے گھر میرے وہ مجھکو آپ سمجھانے لگا
تھا نہیں قاصد نے کچھ ایسا ہی آکر کہدیا | جسکو سنکر سر میں دیوار و در سے ٹکرانے لگا

مجکو ساقی کی یہ مجلس میں بہت بہائی ادا
مصحفی کو جام خالی سے جو ڈہکانے لگا

ایک ہچکی میں ٹھکانے دل بیمار لگا
اُٹھیو اب تیر لگا خواہ تو تلوار لگا

جسکی سر زانو پہ ہیں اُنکے الم کیا جانو
تم تو سوتے ہو گل تکیوں پہ رخسار لگا

کیا ارادہ ہے جو آ بیٹھے ہو تم مجلس میں
مسی ہونٹوں کے تئیں اپنے دھواں دھار لگا

پھر وہ بیمار بھلا کیونکر سنبھلنے پاوے
جسکو ہر دم ہو غم دوری دلدار لگا

مصحفی عشق کی ہے گرمئ ہنگامہ وہی
کشور حسن میں نت رہتا ہے بازار لگا

پاس میرے وہ جو تیرا یار سے آتا نہ رہا
وہ محبت نہ رہی اور وہ زمانہ نہ رہا

ہوش کا اسکے میں کشتہ ہوں کہ وہ یار آیا
شب رہا گھر مرے اور غیر کے جانا نہ رہا

کب شب وصل وہ آیا کہ سحر اور اسکے
درمیاں میں شب ہجراں کا فسانا نہ رہا

ہو کے ناچار کہا میں نہیں جاتا اسکو
پاس سے میرے جب اٹھنے کا بہانا نہ رہا

مصحفی کا نہ نشاں پوچھ کہ مدت ہوئی یہاں
پائنتی گھس گئی تربت کا سرہانا نہ رہا

کوچے سے ترے دل کبھی جانے نہیں دیتا
اسباب سفر پہلے اُٹھانے نہیں دیتا

ہے رشک فلک کو مری اوقات سے یاں تک
غم کھاؤں تو غم بھی مجھے کھانے نہیں دیتا

کہتے ہیں کہ پھر فصل گل آئی ہے چمن میں
کیوں دشت جنوں دھوم مچانے نہیں دیتا

دشمن ہے وہ یاں تک کہ نسیم اور صبا کو
تربت پہ مرے پھول چڑھانے نہیں دیتا

اے مصحفی سمجھا تو ہی اس دست جنوں کو
مجھکو یہ گریبان سلانے نہیں دیتا

دنیا میں جب تلک کہ میں اندوہگیں رہا
دل غم سے اور دل سے میرے غم قریں رہا

رونے سے کام لیکہ شب ای ہمنشیں رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں سر آستیں رہا

نازک مزاج تھا میں بہت اس چمن کے بیچ
جب تک رہا تو خندۂ گل سے حزیں رہا

آخر کو ہوسکے لالہ اگا تو بہار میں
خون شہید عشق نہ زیر زمیں رہا

رکھوں میں روک کیونکہ دل اپنے کو مصحفی
میرے کہے میں اب تو میرا دل نہیں رہا

برہم ہے تیرے حسن کا حیران دوسرا
زلفوں کا بھی کھڑا ہے پریشان دوسرا

پوشیدہ تھا اسکے تیر جو سینے میں اب تلک
پیکاں کے بعد نکلے ہے پیکان دوسرا

تجھ سی وہ شے نہ ہوا کہ تیری شکل کا صنم
پیدا کیا خدا نے نہ الشان دوسرا

اشک آیا چشم خانہ میں یوں لخت دل لئے
مہماں کے ساتھ جیسے ہو مہمان دوسرا

مدت ہوئی کہ ایک تو دیوان میں کہہ چکا
اے مصحفی ہوا ہے یہ دیوان دوسرا

بلبل خوش ہے مصحفی ہوں گلشن روزگار کا
کچھ بھی نشید خواں نہیں زمزمہ بہار کا

سلسلہ اک نظر پڑا صبح ہوا کہ یاد نہیں
پیچ جو کھل گیا کبھو سنبل تابدار کا

لالہ ہوا ابر وہ خاک رنگ شفق بر آسماں
خون کہاں کہاں گرا زخم دل فگار کا

تیغ لئے کھڑے ہو کیوں ہاتھ میں اپنے یاں علم
کام تو ہو چکا تمام مصحفی نثار کا

دامن اس شوخ نے کھینچا جو جھٹک کر اپنا
پھاڑ ڈالا میں گریبان سراسر اپنا

خون بسمل کا ہوا اس ساعد نازک پہ بہار
گئے گو پھینک دیا ہاتھ سے خنجر اپنا

مصحفی گرچہ خفا ہم سے وہ رہتا ہے ولے
ذکر آجائے ہے اس بزم میں اکثر اپنا

اشکوں سے میرے لخت جگر دور رہ گیا
اس تا قلعہ کہ پہنچے یہ رنجور رہ گیا

میں جو کہا کہ بل ہے تیری زلف کی اکڑ
غصے سے کچھ وہ میرا بطرف گھور رہ گیا

کیا کیا نہ دوستو تھی بہرے زخم جانستاں
ایک داغ دل ہرا ہے کہ ناسور رہ گیا

کرتا ہے کوئی اتنا تغافل خدا سے ڈر
مرنے میں میرے کیا بہت مغرور رہ گیا

دنیا ہی دو دن نہ چاہئے اقامت ہے مصحفی
آیا جو اس سرا میں بدستور رہ گیا

ہی یہاں کسکو دماغ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکاں چاہئے تنہائی کا

باغ میں اُگتے ہیں وہاں سے گل رعنا اب تک
جس جگہ سایہ پڑا تھا تری رعنائی کا

رہزن قافلۂ دل ہوئیں جب وہ مژگاں
پہلی اسباب لٹا صبر و شکیبائی کا

شیشۂ دلکو مرے چور کیا جو اوسنے
کیا لیا تھا میں بھلا گنبد مینائی کا

مصحفی ایک غزل اس مردہ زمیں میں لکھہ اور
گر تجھے شعر میں دعوا ہے مسیحائی کا

گرچہ مذکور رہی ہر جا تری رعنائی کا
پر فسانہ نہیں کم میری بھی رسوائی کا

پھول لالے کی نہیں یہ کہ زمیں سے اب تک
جوش مارے ہی پڑا خوں کسی سودائی کا

خون عشاق سے مت انکو حنائی رکھا
میں تو کشتہ ہوں تیری ہاتھوں کی زیبائی کا

تو نے جسبدن سے تراشا ہی میاں اپنی بتیں
شور عالم میں پڑا ہے تیری مرزائی کا

مصحفی چاہے تو لکھہ جا ہی غزل اور بھی تو
میں مقر ہوں تیری خامے کی توانائی کا

داغ دیکھے تھا کہ طرلالۂ صحرائی کا
اور عالم نظر آیا ترے سودائی کا

بیچ دیتا ہی خیال اپنا عوض اپنے مدام
کسقدر یار کو غم ہے میری تنہائی کا

عشوہ و ناز و ادا اُسکے بھی کہتے ہیں
لے سکے نام تو یاں کوئی شکیبائی کا

خوب رو کو جسے کہتے ہیں سو ہے چیز جدا
شوق یوں کسکو نہیں ورنہ خودرائی کا

مصحفی ریختہ پہنچا ہے میرا رتبہ کو
شور یاں گرچہ ہے مرزائی ہی مرزائی کا

کیا دید ہیں یہاں عالم کی کروں جلوہ گری کا
یہاں عمر کو وقفہ ہی چراغ سحری کا

مردونکو جلاتی ہی تیری یہ ٹھوکر — اس چال پہ مرنا ہی بجا کبک دری کا
تربت پہ میری برگ گل تازہ چڑھائے — احسان ہی مجھپر یہ نسیم سحری کا
داغونسے میرے بوی اگر کیونکہ نہ آوے — میں سوختہ ہوں اسکی لباس اگری کا

بندا ہے ترا مصحفی خستہ کو یارب
محتاج طبیبونکی نکر چارہ گری کا

تیشہ فرہاد نے جب سر پہ اٹھا کر مارا — کیوں نہ شیریں نے یہ سن سینے پہ خنجر مارا
جنبش لب نے تیری میری زباں کردی بند — تو نے کچھ پڑھ کے عجب مجھپہ یہ منتر مارا
میں ادا اسکی کہوں کیا میری مے نوشی کی رات — سر پہ ساقی کے کس انداز سے ساغر مارا
بھڑک اٹھا میں نسیم سحری تو نے تو — دامن ایسا ہی میری آتش دلپر مارا

اے مصحفی عشق کے وادی میں سمجھ کر جانا
آدمی جائے ہے اس راہ میں اکثر مارا

مجھ صید ناتواں سو گر عار لیگیا — قاتل مرا جو کھینچ کی تلوار لیگیا
کنج قفس سے چھوٹ کے پہنچا نہ باغ تک — حسرت یہ جیسے مرغ گرفتار لیگیا
دیکھا جو میں تو دلسے میرے تیر پار تھا — جس دم وہ ہاتھ کو سر سوفار لیگیا
اک طرفہ میکدے میں یہ صحبت ہوئی کہ رات — زاہد کی سر سے مغبچہ دستار لیگیا

ہرگز بکی نہ جنس وفا گرچہ مصحفی
سو بار اسکو میں سر بازار لیگیا

نہ پوچھ عشق کے صدمے اٹھائے ہیں کیا کیا — شب فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا
میں اسکی حسن کے عالم کی کیا کروں تعریف — نپوچھ مجھسے کہ عالم دکھائے ہیں کیا کیا

نگاہ غور سے ٹک مصحفی کی جانب دیکھ
جگر پہ اسنے ترے زخم کھائے ہیں کیا کیا

دن جوانی کے گئے موسم پیری آیا
انزوا خوب ہے اب وقت فقیری آیا

سبق نالہ تو بلبل نے پڑھا ہے مجھ سے
نہ اسے قاعدۂ تازہ صفیری آیا

پوچھ مت معرکۂ عشق کا ہنگامہ کہ واں
قیس مارا گیا وامق پہ اسیری آیا

اے سلیمان ہو مبارک تجھے یہ شاہی تخت
تیرا آصف بھی لئے ساتھ وزیری آیا

چشم کم سے نہ نظر مصحفی خستہ پہ کر
وہ اگر آیا تو مجلس میں نظیری آیا

قطعہ

پیری سے ہو گیا یوں اس دل کا داغ ٹھنڈا
جسطرح شام ہوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا

کیا کیا کیا خوشامد تب پنکھا لگے ہلانے
کشتی سے جب ہوا وہ کرکے فراغ ٹھنڈا

صرصر سے کم نہیں کچھ وہ تیغ تیز جسنے
لاکھوں کا کر دیا ہے دم میں چراغ ٹھنڈا

کشمیر کیا تو ٹھنڈا ہیں ہم جانتے تھے لیکن
ہی آج تک ہوا ہے کرکے سراغ ٹھنڈا

گرمی کی رت میں ساقی اور اشک بلبلان نے
چھڑکاؤ سے کیا ہے سب صحن باغ ٹھنڈا

ایسے میں ایک صراحی شوربے کی تو لگا کر
لبریز کرکے مجھکو بھر دے ایاغ ٹھنڈا

کیا ہم تنگ گدا ہیں جو مصحفی یہ سوچیں
ہے گرم اُسکا جی لیا اُسکا ایاغ ٹھنڈا

شب گھر سے تجھ جبیں کی وہ آواز پہ نکلا
نکلا تو ولیکن عجب انداز سے نکلا

مانی نے قلمدان میں رکھا خامۂ مو کو
خط جب سے ترے لعل فسوں ساز سے نکلا

دل مجلس جو اس بت کا ہوا تھا کہ ہم راز
صد شکر کہ اپنا تو ہم راز سے نکلا

جو حسن کی تصویر میں کھینچے کوئی مانی
چہرا کوئی پری کا پرداز سے نکلا

طاؤسی قبا پہن کے جو آیا وہ چمن میں
عالم عجب ایک اُس بت طناز سے نکلا

گل جسکا ہیں پامال ستم نقش تھا وہ شوخ
پھر آج وہی دل کی تگ و تاز سے نکلا

اے مصحفی حسن اسکا جو چمکا دیکھ کر
یہ طرفہ ستارا فلک ناز سے نکلا

شب جو ہمسایہ کا ماتا تو یہاں ہو رہا تھا
سر اپنا میرے زانو پہ رکھے سو رہا تھا

سینے ہی سے خنجر اسکے وابستہ دگر تھا
اپنا تو کہیں ہوش ہی مجکو نہ رہا تھا

اے مصحفی کیوں ہوتا ہے اب گریاں مگر
اسکی کہیں دل اور تو خوب رو رہا تھا

دیکھ آئینہ میں ایک سا پایا نہیں کوئی دوسرا
ایسا ہی تیری شکل کا پیدا نہیں کوئی دوسرا

پیکان جو ایک دل سے نکالوں تو نکلتا کیا
پہلو میں دل کے اور بھی بیٹھا ہے کوئی دوسرا

ایک وضع پر سلوک فلک کب کسیکے ساتھ
گر ایک اس سے خوش ہے تو نالاں ہے دوسرا

اک ہاتھ صرف سینہ زنی جس طرح ہوا
ماتم میں دل کی وقف گریباں ہے دوسرا

کیا اور مصحفی میں کروں وصف لکھنؤ
روئے زمیں پہ اب یہ کہاں شہر دوسرا

انگڑائی لیکے اپنا مجھ پر جو ہاتھ ڈالا
کافر کی اس ادا نے بس مجکو مار ڈالا

جب جل سکا نہ مجھ سے بار گران ہستی
بوجھ اپنے آخر سر سے اتار ڈالا

اے مصحفی نہ آیا بس ان لگا دلوں میں
اسکی نگہ نے مجھ سا دو سو ہزار ڈالا

ہے کار وال رفتہ فراموش نقش پا
بانگ جرس کو سن نہ سکے گوش نقش پا

افتادگان وادی غربت کی سرگزشت
کرتا ہے خوبیاں لب خاموش نقش پا

رنگ کفک سے تا ہوا اُسکے ہمکنار
رنگیں نہ ہوئے حسرت آغوش نقش پا

اک نازنیں جب اُسنے زمیں پر قدم رکھا
سو نقش ہیں کہیں لب بر دوش نقش پا

کہہ اس زمیں میں اور بھی اے مصحفی غزل
سننے کا جسکے شوق کرے گوش نقش پا

تلووں تو اپنے کیوں نہ کئے فراموش نقش پا
دیکھے سے جسکے صاف گیا ہوش نقش پا

ہیں ناتواں زمیں پہ قدم کیا دھریں کہ ہے — ہستی میری گراں بسر دوش نقش پا

تربت پہ میری پھول کر آسودہ رکھتا پاؤں تو — اتنک دعائیں ہیں لب خاموش نقش پا

کس کی حنائی تازہ کئے ہیں فرش پر نشان — فراش اتنا کہ ہیں جو مدہوش نقش پا

روندا ہے جس نے راہ میں ہو کے پامال مصحفی
از بسکہ اُس گلی میں ہوا جوش نقش پا

کون ہے وہ کہ نہیں جان و دل آنا تیرا — اب بھی اس حسن پہ لگا ہے ہر زمانا تیرا

کرے غیر کی باتیں نہ کیا کر مجھ سے — مجھکو بھاتا نہیں ہر وقت جلانا تیرا

چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شب ہجر میں — یاد آتا ہے وہ راتوں کا جگانا تیرا

تیرے کوچے کی طرف سینے سے اٹھ دوڑے ہے دل — اُسکو یاد آوے ہے جب آنکھ لڑانا تیرا

ہو گیا کیا یہ بگاڑ آہ کہ مطلق نہ رہا — روٹھنا آپ سے میرا اور منانا تیرا

اب میں اُس در کو بھی تکتا ہوں کہ جو نقش تھا — پا نہ رکھ کر وہ وہیں سے اٹھانا تیرا

مصحفی ڈر ہے کہ رسوا نکرے تجکو کہیں
اُسکے کوچے میں یہ ہر وقت کا جانا تیرا

خیال یار جو شب میرا ہمکنار رہا — تمام شب تئیں اُسکے گلے کا ہار رہا

فغاں بانگ جرس تھی نہ ایسی دردآمیز — قفا سے قافلہ کوئی تو بیقرار رہا

میں تیرے ڈر سے نہ دیکھا اُدھر بھی شب وصل — ستارہ سحری مجھکو آنکھ مار رہا

کبھی جو یوں بھی ملو تم تو مہربانی ہے — غرض وہ وصل کا وعدہ تو درکنار رہا

تیرے ہی غم کی لگے ہم خوشامدیں اپنے — بھلا نہیں جب کوئی اپنا نہ غمگسار رہا

ملے نہ آکے کبھی مصحفی سے تم افسوس
امیدوار تمہارا امیدوار رہا

چھپ چھپ کے وہ گھر غیر کے مہمان گیا تھا — چوری کی نظر میں وہیں پہچان گیا تھا

کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہم سے
یہاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

گھبرائے ہو کیا مجکو دکھائی سو وہ کافر
ہر چند ابھی میرا کہا مان گیا تھا

انگل رکھ کے میری چھاتی پہ بولا وہ ستمگر
لے سونگھ کہ تو تخت پہ ارمان کیا تھا

اے مصحفی شاعر نہیں پورب میں ہوا میں
دلی ہی میں چوری میرا دیوان کیا تھا

سرِ شام اُسنے منہ سے جو رخ سے نقاب اُلٹا
نہ غروب ہونے پایا وہیں آفتاب اُلٹا

جو کیسے قیس و لیلیٰ اُسے لاکے دی مصور
نہ حیا کے مارے اُسنے ورق کتاب اُلٹا

نام آہ تھا
نہیں حساب بوسہ اپنی کہیں جبیں کہ رہا تھا
وہ لگا مجھی سے کرنے طلب او حساب اُلٹا

مہ چاردہ کا عالم میں دکھاؤنگا فلک کو
اگر اسنے پردہ منہ سے شب ماہتاب اُلٹا

جو خفا ہوا میں جسے کسی بات پر شب وصل
سحر اُٹھ کے میری آگے وہ بیان خواب اُلٹا

یہ سوال بوسہ اسنے مجھے رکھ دی جو گالی
میں ادب کے مارے اُسکو نہ دیا جواب اُلٹا

میں ہوا ہوں جسکا عاشق یہ شگوفہ طراز ہے
کہ میری عوض لگا ہی اُسے اضطراب اُلٹا

کسی مست کی لگی ہی مگر اسکے سر کو ٹھوکر
جو پڑا ہی میکدہ میں قدح شراب اُلٹا

یہ مقام آفریں ہی کہ بزور مصحفی نے
انہیں قافیوں کو پھر بھی بصد آب و تاب اُلٹا

جو پھرا کے اسنے منہ کو لگا نقاب اُلٹا
ادھر آسمان اُلٹا اُدھر آفتاب اُلٹا

نہ قفس میں ایسے مجکو تو اسیر کیجیو صیاد
کہ گھڑی گھڑی وہ ہووے ہی دم اضطراب اُلٹا

میری حال پر مغاں نے یہ کرم کیا کہ شب ہا
مرے ننگے سر پہ رکھا قدح شراب اُلٹا

تیرا کشتہ شب جو لاشہ جو گیا لحد میں اسکی
پس مرگ بھی کسینے نہ سبو کی آب اُلٹا

میری آہ نے جو کھولی پھر اُشتون اشک برق
دو ہیں برق رعد لیکر علم سحاب اُلٹا

جو خیال میں کسیکی شب ہجر سو گیا ہو
نہ وہ صبح کو الٰہی کبھی اُسکا خواب اُلٹا

سحری دم اٹھنے کی جو خبر اسکو دی کسی نے
وہیں نیم رہ سے قاصد بصد اضطراب الٹا

جو علی کا حکم نافذ نہ فلک پہ تھا تو پھر کیوں
یہ گریہ غروب آیا نکل آفتاب الٹا

اگر اسمیں اب مصحفی لا تو کوئی تو کام ہی ہے
نہیں مصحفی مزا کیا جو وہیں کباب الٹا

یہ دم اسکی وقت رخصت بصد اضطراب الٹا
کہ کسو کا دل ہی مشکر سے دو وہیں عنان اب الٹا

سر لوح اسکی صورت کہیں لکھ گیا تھا مانی
اسے دیکھ کر نہ میٹے ورق کتاب الٹا

میں عجب یہ رسم دیکھی مجھے روز عید قربان
وہی ذبح بھی کرے اور وہی لے ثواب الٹا

یہ الٹ گئی ہے قسمت کہ جو دل کسیکو دیں ہیں
وہ میری ہی سر کو بانسے اسی کر شراب الٹا

میں لکھا ہی خط تو قاصد یہ ہوگا پھر بھی ناں
انہیں یاد آگیا تو چلو جواب الٹا

تیرے آگے مہر تاباں ہو زمیں پہ سر بسجدہ
یہ ورق کا گنبد نہیں آفتاب الٹا

یہ نقاب پوش ظالم کوئی زور ہی کرے سے
کیئے خون سینکڑوں اور نہ ذرا نقاب الٹا

جو بوقت غسل اپنا وہ پھرا لے ہی سی منہ
تو پھرا سے ہی منہ اسکی لگے جو آب الٹا

نہیں بجائے شکوہ اس سے ہمیں مصحفی ہمیشہ
یہ زمانہ کار اہی یونہیں انقلاب الٹا

ولہ

نہ تعظیم مسیحا کو بھی جو بیمار اٹھ بیٹھا
تیرے آتے ہی آنکھیں کھول کر یکبار اٹھ بیٹھا

تیری بیمار پر طاقت کی تہمت کا ہیں ہوں سن
سہارے سے پکڑ کر گر ذرا دیوار اٹھ بیٹھا

لئے کر خواب میں بھی اسکے میں پڑ رہو سن سے
پکڑ کر شور ہوں میں وہ آتش رخسار اٹھ بیٹھا

جو آیا غیر کے ہو دستے ہو گئی دل اسکی ہیں
تو وہ مجلس سے باہر اسکو چشمک مار اٹھ بیٹھا

ہوا نے رات در باز کی یہ صورت دکھائی ہیں
تصور میں تیرے شب کو میں سو سو بار اٹھ بیٹھا

میں کچھ اس سے کہا چاہے تھا میں حجب کر کے
اگر ہم نشیں ہو وہ بت عیار اٹھ بیٹھا

سحر ہوتی ہی جو قاصد کا جانا اسکو یاد آیا
تو خط لکھنے کو تب سے مصحفی زار اٹھ بیٹھا

پھر موسم نے چمن کو اُن یار گھر سے نکلا ۔ یاں چاک کر گریباں میں زار گھر سے نکلا
در پے سے دیکھ مجکو جھٹ پھر گیا وہ ظالم ۔ نکلا جو پھر تو لیکر تلوار گھر سے نکلا
پیرہن سے بھی میری اُس سے بنی نہ ہرگز ۔ میں روٹھ روٹھ جسکے سو بار گھر سے نکلا
پٹی کے نیچے پایا تعویذ و نکاد قینہ ۔ کہتے ہیں کچھ جسکو اسرار گھر سے نکلا

رہتے وطن نہ کیا تو نے جو مصحفی پھر
شاید کہ پھینکتے تو اے یار گھر سے نکلا

پاس سے لب تک میں آ سودا کر رہ گیا ۔ دل ہی دل میں خون ال شب جوش کھا کر رہ گیا
بعد مدت کے ملا تجھسے جو وہ آئینہ رو ۔ میں بھی کیا اُسکی طرف آنکھیں ملا کر رہ گیا
کشتہ اُسکا جب نہ تڑپا بعد قتل اُسنے کہا ۔ واہ وا کیا خوب تھا تو گردن کٹا کر رہ گیا
نجد میں پہنچا جو میں مجنوں کے سر تربت نزع ۔ مجھ کی جانب کچھ اشارے سے بتا کر رہ گیا

ساتھ سونا اُسکا یاد آیا جو مجکو مصحفی
رات میں بستر پہ کیا تلملا کر رہ گیا

ایک تیر میں جب اُسنے نشانا اڑا دیا ۔ اسوقت چٹکیوں میں زمانا اڑا دیا
سر پیٹنے نہ کیوں لگیں یہ ہیں اُسکی آشنا ۔ دریا کا بھی اب اُسنے نہانا اڑا دیا
مل مل کے ہم بھی تب کف افسوس رہ گئے ۔ راتوں کا اُس پری نے جو آنا اڑا دیا
دستِ جنوں سے جبکہ لگیں اُڑنے دھجیاں ۔ ہمنے بھی اپنا جیب سلانا اڑا دیا

اُڑنے لگا جو ہم سے وہ باتوں میں مصحفی
ہمنے بھی اُسکے کوچے میں جانا اڑا دیا

ڈھونڈلا دے تو ذرا کوئی پریشاں مجھسا ۔ کوئی دنیا میں نہیں بے سر و ساماں مجھسا
کعبہ و دیر میں ڈھونڈھے جو کوئی لیکے چراغ ۔ مجھسا کافر نہ ملے اور نہ مسلماں مجھسا
ہو کے شب رو بفلک ناز سے یوں کہنے لگا ۔ تو نہ دیکھیگا کبھی اے مہِ تاباں مجھسا

مصحفی گرچہ یہ سب مرغ نوا سنج ہیں خوش — باغ معنی میں نہیں لیک غزلخواں مجھ سا

عقل نقاں اگر حسرت قناعت ہو جائے
تو بھی پیدا نہ کرے گردش دوراں مجھ سا

بھبکے سے ترا رنگ حنا اور بھی چمکا — پانی میں نگارین کف پا اور بھی چمکا

جوں جوں کہ پسینا ترے منھ پہ ہوا ... — جوں لالۂ شبنم ترا اور بھی چمکا

سینے کا نہیں کوئی اگر بوٹا تو ... — یہ داغ سر پیدا ہوا اور بھی چمکا

رخسار تلک اُسکی لگے ہاتھ چھپانے — وہ دولت تھی ... اٹھا اور بھی چمکا

دھویا نہ گیا خون مرا تیغ سے اُسکے — کم بخت یہ پانی سے پڑا اور بھی چمکا

اے مصحفی کیا بات کہوں درد جگر کی
جوں جوں کہ کیں اُسکی دوا اور بھی چمکا

تیر ہی تیرا ... کا کے چلنا — پہر شرم سے ... اسکے چلنا

آنا گھر میں ... ... — اور راہ میں شوخیاں سکے چلنا

... کر دیکھ ... چھپکے — پہر رستے قدم اٹھا کے چلنا

نیچی نظروں سے دیکھنا لگے — پہر ... نظر ... کے چلنا

اس اتنی حیا پہ پر یہ شوخی — بازار میں پان کہا کے چلنا

آ سکے ... ... مصحفی پہ
دامن پاسے اٹھا کے چلنا

پانی بھرے ہی یار دیاں قبر پہ ڈالا — لنگی کی ہی پیچ دکھا کر مصحفی نے مار ڈالا

دریای خون میں کیونکر ہم شہید ڈوبیں — لنگی کی رنگ نے ڈال ... کم بولا لا

اے مصحفی بہشتی شستہ نہ آئیں کیونکر
اس ریختے میں تو نے عالم ... ڈالا

ہیں اک ہم چمن میں جو رہتے ہیں اس کی گھات میں بیٹھا — کبھی اٹھا یہاں بیٹھا کبھی اٹھ کر وہاں بیٹھا

مدد ساقی نے کی گاہ دوستی ہو کی قسمت — رہا میں گرچہ اکثر دور پیر مغاں بیٹھا

تصور میں تیری رفتار کا میں بیچ دریا کا — تماشا دیکھتا ہوں بر لب آب رواں بیٹھا

گئے ہم آہ قفس میں تو آہ اس مرغ کو جو — کہ اڑ سکتا نہ تھا اور ہو پر آشیاں بیٹھا

نہ تنہا مصحفی رہی اسکے ہاتھوں رہی آوارہ
الٹی ہی چمن سے یا سہ پر آسماں بیٹھا

تیرے کوچہ میں اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا — کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

مجھے کس نے روک رکھا تیری دید کیا ہے آتی — کہ گیا تو بھول ظالم ادھر التفات کرنا

یہ زمانہ وہ ہے جس میں ہیں بزرگ و خورد جتنے — انہیں فرض ہو گیا ہے گلہ حیات کرنا

جو سفر میں ساتھ ہوں ہم تو یہی ہے قاعدہ — کہ نہ موڑ کر کو اپنے پھر کر طرف قنات کرنا

یہ دعا ہے مصحفی کی جو اجل ہی اسکی آوے
شب وصل کو تو یا رب نہ شب وفات کرنا

ہر عضو میں ترے دل بستے ہیں ایک دلبر کا نقشا — تجھے تو کیوں نہ کہیے اسکے پیکر کا نقشا

کرتا غم دل سے پیدا ہم بیٹھے ایہدلا — آئیں تو دست بستہ بیٹھے پیغمبری کا نقشا

جادوگری ہی انکی ہر عضو میں بھری ہے — از سر تا پاؤں تک وہ جادوگری کا نقشا

رنگ کاک کا تیری کچھ ہم لیکے آئے — اس نے کھینچ لایا ایک دری کا نقشا

میں نقش ردی خوش پڑھتا ہوں جان اپنی
اور مصحفی چاہتے یاں سیم و زری کا نقشا

ردیف "ب"

پیا اس نے ہم سے ہو کر کچھ نہ ہمیں پر صاحب — پہلے کہیں پڑے تھے ہو کر خفا ہمیں پر صاحب

ہے غرض غنچہ کی صورت ہی تمہاری پیاری — کیا ہنسے لگتے ہو اس چمن میں پر صاحب

اگر تمہاری یہی چال تو تم دیکھو گے / آفت آویگی کسی خانۂ ... پہ صاحب
کس کا سر کاٹ کے فتراک سے باندھا ہے آج / ہے یہاں آپ کے اس داماں زیں پہ صاحب

تم نگہ تھے میاں مصحفی دل اسکو نہ دو / تم بالا ستے نہ اس جان حزیں پہ صاحب

ہمکو دینے لگے تم چھیڑ کے گالی کیا خوب / آپ کے سینے پہ ہو یہ چھیڑ نکالی کیا خوب
یار کو اب تم ہی کو خون غریباں کرتے / ہاتھ میں تم نے بھی تلوار سنبھالی کیا خوب
جب کہ تو اسمیں سو جھانکے ہے ستارہ کی طرح / جگمگاتی ہے ترے گوش کی بالی کیا خوب

مصحفی واہ غزالان معانی کے تئیں / صید کرنے میں تری ہمت عالی کیا خوب

غیروں سے میاں تیری ملاقات نہیں خوب / کچھ عقل کے نزدیک تو یہ بات نہیں خوب
یوں آنکھیں ملانی ہی کہ جیا ہی تو ولیکن / آگے مرے ہر ایک سے اشارات نہیں خوب
کیا جانئے کیا جانیے کوئی شخص کو جیسا / اتنی بھی تو بندہ پہ عنایات نہیں خوب

کیوں خوار ہوا کرتے ہو تم اُسکی گلی میں / میاں مصحفی جانے دو یہ اوقات نہیں خوب

دلکو تو نہیں کوئی ملاقات کی تقریب / منظور ہو ملنا تو ہے ایک سا اُسکی تقریب
اے ابر کرم کیا ہے جو تو گھر میں ہمارے / رہ جائے کبھو آن کے برسات کی تقریب
واں کیونکہ اشارہ نہیں کرتا دل اپنا / جس جا کہ ہو دور سے اک بات کی تقریب
سن سن کے مری ذکر کو کہتا ہے وہ کافر / ہر ایک کرے ہے اُسے یہ ذات کی تقریب

اے مصحفی سو آنکھیں لگیں دیکھ کے اُس سے / نکلی جو کبھی حرف و حکایات کی تقریب

یہ حالت ہے کہ دل سینے میں گھبراتا ہے جیسے / طبیعت بے کھٹکے اپنی آجاتا ہے موجب

میری مجلس میں گر وہ آ کے بیٹھے ہو تو بیٹھے ہیں
یکایک بیٹھے بیٹھے ہنس کے اٹھ جاتا ہی بموجب

جو ہوتا ہوں میں حاضر اُسکی عبادت کو پہر بھی
ہر غم غیر مجکو کام فرماتا ہے بموجب

خواہش ہیں اور مہر [illegible] اور سر کچھ تغافل سا ہی
نہیں معلوم کافر دلکو کیوں بہاتا ہی بموجب

نہیں راست مصحفی گر مجھے لاگ اسکی تصویر کو
تو وہ راتوں کو میری پاس کیوں آتا ہی بموجب

دل دیوانہ اُسکی گالیاں کھاتا ہی بموجب
جو اُسکے منھ میں آتا ہی سو کہہ جاتا ہی بموجب

گلی میں اُسکی جاتا ہوں تو لوگوں سے یہ کہتا ہی
ہوا ہی اُسکو کیا یہ کیوں یہاں آتا ہی بموجب

میں آخر اُس گلی سے اٹھ گیا وہ اٹھ ہی جاتا ہی
کسو سے گر کوئی اے یار روٹھ جاتا ہی بموجب

تو ساقی سے نے چھوا انکو وہاں باد صبا پہونچی
تیری زلفوں کا ہر ایک بال بل کھاتا ہی بموجب

کوئی کیا مصحفی کا مصحفی سے درد دل پوچھے
کہ آنکھوں میں یہ آنسو اپنی بھر لاتا ہی بموجب

ردیف "ت"

بدنام کیا ہمنے عبث نام محبت
مجھسے نہوا کچھ بھی سر انجام محبت

میں سینکڑوں خط اُسکو لکھی اُسنے نہ بھیجا
واقف نہ کی زبانی کبھی پیغام محبت

اُس طایر وحشی کے نہ در پے ہو تو صیاد
جو چھوڑ کے آیا قفس دام محبت

کیا صوم وصلواۃ اُس سے ہو جو شخص ہوا ہو
مصروف بہ بیداری احکام محبت

مارا گیا شب مصحفی اُس بت کی گلی میں
سچ ہے کہ برا ہوتا ہے انجام محبت

اُس گُل کی باغیں جو صبا نے چلائی بات
مجھ سے نہ مسکرا کے کہا ہمنے پائی بات

کہتا تھا یہ کہ دل نہ کسی سے لگائیے
ایک قصہ خواں کی رات مجھے کیا خوش آئی بات

آنے کی تیری سن کے میرا دل تو خوش کیا
مانگا جو میں نے بوسہ تو آنکھیں چرا دیاں
وہ مجھ سے اندر تو نہیں جو کچھ بولتا نہیں

تھا صبر نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات
اس نے سب مری زمین پہ آسمان سے گرائی بات
تھا پیکی یہ اس کے آتی کچھ لگائی بات

رتبہ کو میری پہنچے گا کب کوئی مصحفی
سوچ اللہ سے کچھ پوچھ سنائی بات

ہو رہا تھا نشہ کچھ تو گلشن کی سرگذشت
سے ایک شعلہ لگا ایسا کہ ساری جل گئی
سر پیٹتا پایا جا انہوں نے دام میں صیاد کو

یعنی آخر کیا ہوئی اس چمن کی سرگذشت
کچھ نہیں چھوٹے شمع انجمن کی سرگذشت
یہ ہوئی آخر کو مرغان چمن کی سرگذشت

مصحفی کتنے ہیں راہ عشق میں مارا پڑا
کون جانے کیا ہوئی اس بے وطن کی سرگذشت

خوشبو سے جسکی بوجھل عنبر سارا - بیٹے مشک کی نکہت
بال ایسے ہوئے ہیں کہ ریشم کا سے لپٹا - اللہ رے نزاکت
پاؤں میں کفک اور لگی ہاتھوں میں مہندی - از خون شہیداں
چہرہ وہ پری سا کہ جیسے نور کا بکا - رنگ آگ کی صورت
تلوار سے ابرو کج قتل پہ مائل - لب خوں کے پیاسے
پھولوں کی چھڑی ہاتھوں میں اور کانوں میں بالا - چتونیں شرارت
مسی کی دھڑی ایک تو تھی ہونٹھوں پہ کافر - اور ترشی سے پوچھی
بہت ستم اور وہ پانو کا لکھوٹا - جلوں خون کی ہو رنگت
پانوں میں الی وار پڑی کفش زری کی - دل جس سے ہو زخمی
اور سر پہ شرارت سے بندھا بالوں کا جوڑا - سج اور سج سوا ایک آفت
خونخوار نگہ [illegible] آپ سے بیگانی - سرشار نشے میں

ایک ہاتھ میں ساغر ہے تو ایک ہاتھ میں مینا - مستی کی سی حالت
آیا مرے گھر وہ میری دروازہ پہ دستک - میں گھر سے جو نکلا
دیکھا تو سر کوچہ ایک آشوب ہے برپا - پیدا ہے قیامت
تب میں نے کہا اس سے کہ ای مایۂ خوبی - کیا جی میں یہ آئی -
اس وقت جو آیا تو مرے پاس اکیلا - سمجھا نہ قباحت
یوں ہنس کے لگا کہنے کہ سن مصحفی یہ بات - گھر میں ترے مجھکو
لایا ہی ترا جاذبہ ہی کھینچ کے اس جا - تھی کسکو یہ قدرت

ردیف ث

یار ملتا ہے کوئی یہ آہ و زاری ہی عبث - اے دل اتنی بیکلی اور بیقراری ہی عبث
کوئی اس مجلس میں ہرگز داد غم دیتا نہیں - شمع سے کہدو کہ تیری اشکباری ہی عبث
غنچہ ایدھر مسکراتا ہے ادھر ہنستا ہے گل - اس چمن میں گریہ ابر بہاری ہے عبث
یہ نہیں وہ شب کہ جسکی صبح ہو ویگی طلوع - دم شماری کر دلا اختر شماری ہے عبث

وعدہ کرکے مصحفی کس دن وہ آیا تیرے پاس
تجکو اس پیمان شکن کی انتظاری ہے عبث

ردیف ج

رکھتا ہوں دل ایک میں تو تیری ہم کی احتیاج - کیا فقیر ہو دل خود دم سے کے احتیاج
دیتا ہی اسکے رخ کو باج - شام سے زلفوں لیا ہے خراج
آیا نہ لیکے معاشق اپنی - ہم عنصر ہیولا کی ہے یہی سراج
عاشقی کیوں نہ مبتذل ہو وے - کیا پروانہ شب کرے معراج

ہے دوا اوس مریض کی تجھ پاس | جسکا عیسیٰ بھی کر سکے نہ علاج

مصحفی فارسی کو طاق پہ رکھ
اب ہے اشعار ہندوی کا رواج

نہ تو اس شہر میں دوا کا رواج | اور نہ ہو ہے درد دل کا علاج
کسکو بھاتا نہیں ہے اپنا جگر | گل ہے ہر شاخ گل کے سر کا تاج
گر ہمیں اتنی دسترس ہوتی | نذر زلف کرتے شانۂ عاج
نالہ جاتا ہے تا بعرش بریں | ہے شب ہجر کی یہی معراج
کام کیا مجکو شور بلبل سے | میں ہوں اپنا طوطی قفس مزاج

مصحفی گلستان گیتی میں +
ڈھونڈھ لاوے کوئی تو مجھسا آج

ردیف "چ"

کب کا ایک عمر سے جھگڑا تھا دل جانکے بیچ | کام دونوں کا کیا یار نے ایک آن کے بیچ
جب کہ چہرے سے اٹھاتا ہے تو اے شوخ نقاب | برق پڑتی ہے ہمارے سر و سامان کے بیچ
خواب سے چونکے تو یاں ہمکو سفر پیش آیا | آنکھ کھلتے ہی پڑی بانگ جرس کانوں کے بیچ
میں وہ بلبل ہوں کہ مشتاق رہی اپنی چمن سے | رہنے کو گرد اسیر ہیں دیوار گلستان کے بیچ

سیر گلگشت گلستاں کی نہ ہمت کیجو
مصحفی لخت جگر ہیں میرے داماں کے بیچ

ردیف "ح"

چمکی ہی کیہ وہ ابروئی خمدار کسطرح | چلتی ہے آپ ہی آپ یہ تلوار کسطرح

کیا جانے کشمکش میں یہ جھگڑا کہاں چکے
ہے اختلاط سبحہ و زنار کس طرح

دستار و شملہ شیخ کا ہے خوف کی جگہ
نکلا ہے یہ ستارۂ دم دار کس طرح

جاتا ہوں اُس گلی میں تو سیر بطرف کو ہا
رہتی ہیں آنکھیں پر رخنۂ دیوار کس طرح

ہمسائگی پہ یار کی کیا جیکو خوش کروں
سبحے تب ہے کہاں وہ ہمسایہ دار کس طرح

دیوار گل جو ہووے تو رخنہ بھی ہو سکے
ہے درمیان حیا بھی دیوار کس طرح

بالیں پہ اسکی میں جو گیا شب بوقت نزع
دم توڑتا تھا مصحفی زار کس طرح

سحر ہے رخ پہ تیری زلفوں کے کھلانیکی طرح
سیکھے کوئی تجھسے پیار ہو کے لپٹانیکی طرح

نگاہ چھپے میں میری گاہے بکام دیگرے
ساری اسکے چشم میں سیکھے ہے پیمانیکی طرح

تھی بلا گردان شمع روی گل شب تا سحر
آخر آخر دیا بلبل نے پروانیکی طرح

گل جو رستے میں وہ ناگہ مل گیا تھی دیدنی
میری رہ جانیکی وضع اور اسکے رکجانیکی طرح

پھر گئیں کیا جانے کیوں ہم سے وہ زلفیں مصحفی
ہمتو رکھیں تھی دل انکا ہاتھ میں شانیکی طرح

سینے سے جلوہ گری تیری ابتدائی صبح
گل کھا گئی ہے بیاض گلو پہ صفائے صبح

ہمنے تو تیرے عہد میں ہاں اے شب فراق
دیکھا نہ خواب میں بھی نہ جانفزائی صبح

کھلجائے آنکھ گر تیری شب سے تو بخبر
قابل ہی سیر کے چمن دلکشائے صبح

جلتا ہوں میں کہ آکے ابھی کوئی یار سے
بھڑکا گئی ہے آتش دلکو ہوائے صبح

تو شام تک سکے تیری زلفوں کے حسن کو
لے آب و تاب صبح بناگوش پائے صبح

ہستی سے درگذر جو تو چاہے ہے وصل دوست
جلوہ ہے آفتاب کا بعد از فنائے صبح

ہمتو شب فراق سے مجبور ہو گئے
اس شب کو تو ہی صبح کر اب خدائی صبح

تقصیر وار گو کہ تمہارا ہے مصحفی
پر وہ نہیں کہ ہووے یہ عہد وفائی صبح

ردیف "خ"

آئے تھے ہی جب مچائے ہے اُسنے چھوں مل چیخ
دیکھا اُسکو ہو گیا ہے ہر ایک گلکا رنگ فخ

جب تلک کہ آنسوؤنکا ہمارے ہی پوافشرہ
ان آنسوؤنکے ہم نہیں محتاج آب یخ

لگائے ہاتھ کوئی اُس بدن کو کیا گستاخ
کہ جس بدنکو لگی ہو کبھی ہوا گستاخ

یہ برگ گل نہیں ہیں بلبلونکے لخت جگر
قدم نہ رکھیو خیابانیں اے صبا گستاخ

میں دیکھتا ہوں جو شانے کو اُسکی زلفوں میں
کھڑا ہوں یوں نہیں کبھی میرا ہاتھ تھا گستاخ

کبھی لیتی ہے گاہ اُسکے بوسے لیتی ہے
رکھ تیری کی سختی ہے تیری زلف بھی بلا گستاخ

قطعہ
سنا ہے مصحفی میں جب سے شعر عرفی کا
ہمیشہ ہاتھ گریبانسے ہے میرا گستاخ

لباس تنگ کنی قبا بیاد آور
کہ میکشاد سکے بندہای قبا گستاخ

ردیف "د"

نئی آپ دم آسکے ہیں میاں لبکا بالاسرد
ہل تیر الگتے ہی تو ٹھہر سکے ہوا سرد

کہاں تلک پھریں اوڑتے اسیر اُدھر صیاد
تیری ہی نذر ہیں اپنے لئے پشت پر صیاد

وہ خون گرفتہ ہوا کون قابل فتراک
جو آج دامن زیں ہے بہار پر صیاد

خدا کیواسطے چوب قفس کو سُرخ نکر
ہماری جونوں پہ باندھی ہے کیوں کمر صیاد

پھر اور کیا ہے سبب مرغ دل کی وحشت کا
نظر پڑا کوئی اے مصحفی مگر صیاد

کسطرح جاسکے کوئی واں کہ کوہ ہے گردن بلند
وہانکی دیواریں بلند اور درانکی سب ذرا بلند

اُس تلک میری رسائی کسطرح ہو مصحفی
دست کوتہ اپنا اور اُس شوخ کا دامن بلند

ہاتھ آجائے جو سیب ذقن یار کی گیند
نہ چھوئیں ہاتھ کبھی پھر گل گلزار کی گیند

گیند بازی سے اذیت نہ کہیں پہنچی تمہیں
کہ اچھلتی ہی بُری طرح سے سرکار کی گیند

جان قالب میں نہیں ماہ فلک کو اب تک
اُسنے دیکھی تھی تیری قالب دستار کی گیند

دل کو کیونکر نہ لگے چوٹ جو وہ وصل کی شب
پھینکی غصہ سے بنا میری طرف مار کی گیند

مصحفی ہے یہ غزل دوختہ سوزن فکر
آصف الدولہ بہادر کے ہے سرکار کی گیند

ردیف "ف"

شوق سے لکھئے اگر جانب جاناں کاغذ
ہو کبوتر کی طرح آپ پرافشاں کاغذ

پُرزے پُرزے ہی جو کوئی ہو سو لکھی نامہ شوق
بھیجنا یار کو ایسا نہیں آساں کاغذ

دردمندوں کا تیری نامہ جو پہنچے تجھ تک
کھولے اُسکو تو کرے نالہ و افغاں کاغذ

مصحفی نام ہے دیوان کا ہاں ہیں تو سہی
ورق گل کی طرح چند پریشاں کاغذ

ردیف "ر"

بہار گل نہ رہے اس قدر چمن میں دیر
کہ بیٹھے دل زدہ کوئی سایہ سمن میں دیر

بھلا تمیز تو کر پوسئے مشک و گیسو میں
رہی ہے باد صبا تو نے ہی تو ختن میں دیر

میں اس پتنگ کے جی دینے کا ہوں دیوانہ
جو گرکے شمع سے تڑپا کیا لگن میں دیر

رفوئے چاک گریبان گل کرائے ناصح
ابھی ہماری تو ہے چاک پیرہن میں دیر

گئے کہاں تجھے میاں مصحفی بتاؤ تو
لگائی رات بہت تم نے انجمن میں دیر

اُس تیغ زن کو یارو سیر و دے کیا خبر
قاتل کو بیقرارئے بسمل سے کیا خبر

منھ اٹھ گیا جدہر کو اُدہر ہی چلے گئے
آوارگانِ شوق کو منزل سے کیا خبر

شمع شبِ فراق سے بیٹھے ہم تو مصحفی
ہم دلجلوں کو عیش کی محفل سے کیا خبر

راتوں کو تو لگا بہ یعنی نہ اے ماہ لقا پہر
بازآ کہیں ان چالوں سے از بہر خدا پہر

پیسے دیدۂ تر وی ہیں کہ گر جوش پر آویں
دریا کو کہیں تو میری لہر وہیں بہا پہر

اے مصحفی رسوائی ہے ان باتوں میں ناداں
جوں سایہ تو اُس شوخ کے پیچھے نہ لگا پہر

یہ دلی کا نقشا سنوارا زمیں پر
کہ لا عرش کو یاں اُتارا زمیں پر

قسم ہے سلیماں کی بیٹھیں زمانہیں
کہیں پہ یہ بونکا تھا گذارا زمیں پر

ہیں وہ سنگ رہ ہوں کہ جو ٹھوکریں سا
پھرے ہر طرف مارا مارا زمیں پر

فلک لے ہوا سے بنے تئیں دور پھینکا
یہ حرکت ہوئی ناگوارا زمیں پر

ہیں آنکھوں کا تیری عجب ڈھنگ دیکھا
نظارا فلک پر اشارا زمیں پر

چلا شب وہ مجلس سے اٹھکر تو دونہیں
قیامت ہوئی آشکارا زمیں پر

تیرے کشتے کہتے ہیں آنکھوں سے تیری
نظر کیجو ٹک خدا را زمیں پر

کوئی مصحفی کو اٹھاتا نہیں ہے
پڑا ہے سو ایسا بچارا زمیں پر

ہمنے لٹا دیا ہے گھر بار تیری خاطر
سہتے ہیں ہم یہاں گرونا تیری خاطر

شاید کسی بہانے تو اٹھکر آوے ہم پاس
راتوں کو ہم رہے ہیں بیدار تیری خاطر

گر یوں نہیں تو پیارے کیا کام یاں ہمارا
آتے ہیں اس گلی میں ہر بار تیری خاطر

نازک مزاج تو ہے ہم کیا کریں کہ اِسکو
سنتے ہیں ہر کسی کی ناچار تیری خاطر

کیوں مصحفی جہاں میں رسوا ہوا ہی کہدوں
تیرے لیے ستمگر خونخوار تیری خاطر

وہ دن گئے کہ تھا تو شیریں مقالیوں پر
تیری زباں کھلی ہے ان روز و لالیوں پر
شب ایک جھلک دکھا کر وہ مہ چلا گیا تھا
اب تک وہی سماں ہے غرفے کی جالیوں پر
لاکھوں مثال تیری نظروں میں جلوہ گر ہیں
تو کس قدر عیاں ہے ان بے مثالیوں پر
کہہ دو صبا سے کوئی جلدی انہیں کھلا دے
ہوتی ہیں خون ناحق غنچوں کی لالیوں پر

اے مصحفی بتا تو کیا کچھ خوشی ہوئی ہے
ہے اندنوں جو چرچا تیرا اجالیوں پر

یوں ہی یہ نقاب اس بت بے پیر کے منھ پر
جیسے ورق سادہ ہو تصویر کے منھ پر
کیا جانے کسے ذبح کیے آئی ہے کافر
ہے آج تو سرخی تیری شمشیر کے منھ پر
گو غیر کی خواہش ہے تیری دل میں تو ہو دے
یہ بات نہ کہہ عاشق دلگیر کے منھ پر
عزت نہیں اس صید کی کچھ صید حرم میں
جو صید کہ آیا نہ تیری تیر کے منھ پر

اے مصحفی تو اور کہاں شعر کا دعوا
پھبتا ہے یہ انداز سخن میر کے منھ پر

بیٹھے جو کوئی اس بت پر فن کی برابر
اس دوست کو ہم سمجھے ہیں دشمن کی برابر
گزرے دل ہو کہیں آگے ہی جو اس بت کے تو وہ [illegible]
منھ اپنا لگا دیتا ہے چلمن کے برابر
انداز تو بسمل کا سمجھا اپنے وہ کیسا
رہتا ہے [illegible] آکر [illegible] دامن کے برابر
اس [illegible] قدرت ہی کہ اس [illegible] گذر [illegible]
منھ اپنا [illegible] کے برابر

نرمی کی توقع نہ کر اے مصحفی اس سے
ان سنگدلوں کا ہی دل آہن کے برابر

آیا سحر [illegible] وہ گل شاید چمن کے اندر
شعلہ سا شب پھرے تھا سرو چمن کے اندر

جو ہاتھ دلبروں کے دامن کو کھینچتے تھے
وہ کھینچ کے رکھی ہیں کیسے کفن کے اندر

گورے بدن کا اسکے عالم میں رات دیکھا
ایک نور کا جھمکڑا اٹھتا پیرہن کے اندر

شکوہ کا نامہ اسنے وہ خونچکاں لکھا تھا
چھریاں دھری تھیں جسکی ہر ایک شکن کے اندر

وعدہ نہ مصحفی سے جھوٹا کرو کہ صاحب
ہے ایک زباں حلال اس ساری بدن کے اندر

آسودگان خاک کے عالم کی سیر کر
کیا چھپ پڑی ہیں مجلس ماتم کی سیر کر

ایک قرص ماہ کے نظر آتے ہیں صبح ہلال
عارض پر اسکی طرۂ پرخم کی سیر کر

اے مصحفی بہار کے دن ہیں یہ نصیب
چل تو بھی باغ میں گل و شبنم کی سیر کر

دل لیگیا ہے میرا وہ سیم تن چرا کر
شرما کے جو چلے ہے سارا بدن چرا کر

ہونے دی خوش کسیکو سچ کہہ تو کیا کریگا
ہنچے تبسم اپنی ای خوش دہن چرا کر

کب مشک میں یہ بو ہی زلفوں کی تیری اگل
خوشبوئی لیگئی ہے باد ختن چرا کر

دزد حنائی پاسے ہشیار رہیو غافل
یہ لے نہ جاے تیرا کفش چکن چرا کر

باندھا کریں ہیں کیا کیا اے مصحفی بہشتی
مضمون تازہ میرے یہ ہم سخن چرا کر

آخر کو مصحفی تو دی جان تیری خاطر
جی سے گذر گیا وہ نادان تیری خاطر

کیا کیا جفا سہی ہے اس ستم جاں پہ میں نے
یہ جان میری تجھ پر قربان تیری خاطر

گر تو نہ ہو تو ہمکو کیا کام زندگی سے
ہے سب یہ زندگی کا سامان تیری خاطر

اس شوخ پر نظر کر لایا ہوں آسماں سے
چاندی کا مہ بنا کر گلدان تیری خاطر

تو شعر مصحفی کو جی سے سنے تو پیارے
پڑھ جاوے وہ تو سارا دیوان تیری خاطر

رنگ لیکے جاتی ہے جو ایک تو سو توڑی پتھر
کیا عجب اسکا اگر سر سے ہی پھوڑے پتھر

زخم بیداد کی لذت سے اگر ہو آگاہ
منہ کبھی دشنہ و خنجر سے نہ موڑے پتھر

کیوں نہ ہو شیشۂ دل جو رہے میرے پہلو میں
سینے ایام جنوں کھا کے ہیں توڑے پتھر

اک غزل اور بھی سن مصحفی تو جیسے کریں
خوب تر لعل و زمرد سے ہیں جوڑے پتھر

ماری ٹکروں کی یہ جب تک کہ نہ توڑے پتھر
دل سودا زدہ کب ہاتھ سے چھوڑے پتھر

مجتمع تھی جو میری خاک پہ تھوڑے پتھر
وہ بھی اس فصل میں لڑکوں نے نچوڑے پتھر

دل تو خوش ہوئے میرا عالم بالا سے اگر
آبگینے پہ فلک کے کوئی چھوڑے پتھر

طشت میں رنگ حنا اس کے جو بعد غسل
سنگ پا کا جو کوئی اسکی نچوڑے پتھر

مصحفی عاشق صادق ہے تو مت عشق سے بھاگ
منہ کبھی آتش سوزاں سے نہ موڑے پتھر

سجدہ گاہ اپنی کئے راہ کی روڑی پتھر
کعبہ و دیر کے ہیں چوم کے چھوڑے پتھر

شیشۂ دل جو میرا شیخ نے پھوڑا تو وہیں
جا کے مسجد کی ہیں دیوار کے توڑے پتھر

قصر لیلی کے لئے نجد سے تو اے مجنوں
کیا ہو لے آوے اگر لاکھ پہ تھوڑے پتھر

لیکے دلکو میری یوں اسنے چھپا رکھا ہے
جیسے پارس کا کوئی پا کے نہ چھوڑے پتھر

مصحفی راستے چھوڑ رائی وہ ہیں اب بھی نشان
تھی عمارت کے لئے اوسنے جو جوڑے پتھر

دل لیگئے آنکھوں میں یہ تدبیر لگا کر
آئے تھے جو کل سرمۂ تسخیر لگا کر

ہے لاش پہ کشتہ کے تیری طرفہ تماشا
ہر ایک چلا جائے ہے شمشیر لگا کر

کھلتا نہیں جب در تو چلے جاتے ہیں مردم
آنکھوں سے تیرا حلقۂ زنجیر لگا کر

شب ہم سے وہ روٹھے تو ہمیں چھوڑ کے باہر
جا گھر میں الگ سو رہے زنجیر لگا کر

اے مصحفی دل پھنکنے لگا راتسے میرا
کیا آگ گیا نالۂ شبگیر لگا کر

رات انکو کیا پھر وہ مشغلہ پر نقاب لیکر
پچھتا ہوگے کسیکا ناحق عذاب لیکر

بسمل ہوں میں کرو مت زخم جگر کا مرہم
مجھ نیم جانکا جاوے پورا ثواب لیکر

ابر سپید نے مجکو گھیرا ہے گلستاں میں
ساقی پہنچ شتابی جام شراب لیکر

آنکھیں میری بھر آئیں قاتل کو دیکھ حسرت
جب قتل کو وہ آیا تیغ خوشاب لیکر

پردے زمیں کے ہردم زیر و زبر رہیں گے
ہم خاک میں گئے گر یہ اضطراب لیکر

اب نام سے بھی میرے واقف نہیں جو کبھی
طفلی میں چلے تھا پیچھے کتاب لیکر

اے مصحفی سمجھ تو ناداں کہاں چلا ہے
سر پر چمن کی گٹھری مثل حباب لیکر

ردیف "ز"

شاید ہوئی نہیں میری حاجت روا ہنوز
سوئے فلک دراز ہیں دست دعا ہنوز

بیگانگی میں کیونکہ کروں ہائے رشک سے
کرتی ہے سیر وہ نگہ آشنا ہنوز

دیکھا تھا ایکدن کہیں اُس گلکو باغ میں
آوارہ چمن ہے نسیم و صبا ہنوز

ہاتھوں سے اُسکے رنگ حنا اُڑ گیا ولے
تڑپے ہیں خون میں کشتۂ رنگ حنا ہنوز

دیکھا تھا مصحفی نے کہیں اُسکو ایکدن
پھرتا ہے ہر گلی میں وہ سر پیٹتا ہنوز

وہی ٹھوکر ہے اور وہی انداز
اپنے چالوں سے ہے تو نہ آیا باز

اُسکا آہستہ بولنا ہے غضب
لب پہ ہے قصہ مرنے آواز

نہیں معلوم آگے آگے ہیں
کیا دکھاویں یہ طالع ناساز

یہ بھی قسمت کہ تیری مجلس میں
ہم ذلیل اور غیر ہوں ممتاز

زلف جھک کر سلام کرتی ہے — رخ کو اور رخ کی ہے عمر دراز
اے صبا اُس گلی میں گر جاوے — کہیو میرا بھی تو سلام نیاز
مصحفی لکھنؤ میں دلی سے — قطعہ — آیا ہے کر کے راہ دور و دراز

لیکن اس خاک میں بھی آ کے کہیں
کچھ نہ دیکھا بجز نشیب و فراز

بیگانگی ہی اوسکی ملاقات میں ہنوز — وا حسرتا کہ فرق ہی دن رات میں ہنوز
فندق ان انگلیوں نہیں ہی تو کیا ہوا — رنگینیاں وہی ہیں اشارات میں ہنوز
دیکھا تھا بات کرتے اُسے ساتھ غیر کے — سودا اپنا ہی کچھ ہے اسی بات میں ہنوز
اکدن فلک کو آہ کی ہیں دیکھا تھا پار سے — خون رو رہا ہوں اُسکی مکافات میں ہنوز
وہ نازکی کو دن میں پر تو بھی ہے صنم — لطف صفائی صبح تیری گات میں ہنوز

سمجھا تک اپنی دیدہ تر کو تو مصحفی
باقی کئی مہینے ہیں برسات کے ہنوز

ردیف سین

یار کرتا نہیں نگاہ افسوس — چشم پوشی ہے اوسکی آہ افسوس
تو نے میری طرف کو اے گمراہ — نہ غلط کی کبھو بھی راہ افسوس

مصحفی دست و تیغ خوباں سے
ہو گیا قتل بے گناہ افسوس

کون آتا ہے عیادت کو دل زار کے پاس — لوگ سب جمع ہیں اُس نرگس بیمار کے پاس

رشکِ معشوقی صیاد کا میں بندہ ہوں
جسنے رکھا ہے قفس کو میرے گلزار کے پاس

ہم یہ وہ مایہ کہاں لیکن رہے تقریب
جا کھڑے رہتے ہیں ہم اسکے خریدار کے پاس

مصحفی حشر سے ساقی کے نہ کر تو صحبت
بیٹھنا خوب نہیں صوفی کو میخوار کے پاس

میری طرح سے یار نے میلا کیا لباس
پر کیا کہوں پھبا اسے کیا ملگجا لباس

گو ڈر کا لعل کیوں نہ کہوں اسکے حسن کو
میلا ہی جس کے ہاتھ لگے ہی بھلا لباس

ہو تو کبھی کہیں نہ کہ پہنے اٹھا کے
پہنا کریں گر آپ اسی وضع کا لباس

ہے سر پہ اوڑھنی تیری کا ترے جھلملی
یا آسکے تیرہ شب کا ہوئی ہے ہوا لباس

پیراہن دیکھے حسن کا تیری شبیہ کو
نقاش بول اٹھا کہ یہی اسکا تھا لباس

پہنا جو میں نے جامۂ دیوانگی تو عشق
بولا کہ یہ بدن پہ ترے سج گیا لباس

چپ چاپ کرکے دیکھ تو ہی کس ڈھب سے مصحفی
پہنا ہے آج یار نے تیرے نیا لباس

ردیف "ش"

بھڑکے ہے تب عشق کے دل میں غضب آتش
اڑ گر یہ چڑک آپ کہ ٹک جا ہو سبا آتش

برق اسکے دم گرم سے کس طرح برآوے
ہو ہر نفس سرد کا جسکے لقب آتش

جل جائیگا عالم مجھے مت چھیڑیں لاؤ
ہے برق کے مانند مری زیب آتش

انگارے سے دیکھے ہیں مرے سینے میں اتنے
کس روز چھپا شعلہ ہوئی سرد کب آتش

اے مصحفی پوچھ اسکی نہ کچھ نرمی و گرمی
عالم کو ہے لطف آب ہے وقت غضب آتش

ردیف "ص"

رکھتا ہوں میں تیرے ہی سے اخلاص — ہرگز نہیں اور کسی سے اخلاص

پاس اپنے تو اے یار ہو سیم و زر خالص — یا اشک مصفا ہیں یا خون جگر خالص

تیرے لب شیریں کا وہ رتبہ نہیں پاتی — ہر چند فروشندہ رکھتا ہو شکر خالص

قطرات سے آنسو کے ہیں تار نظر روشن — ہیں اوس میں پروئے ہیں اسکے گہر خالص

اے مصحفی مسجد سے میخانے میں آتا ہے — پیتا ہے یہاں آکے ساقی سے لاکے تو بہ خالص

ردیف "ض"

دیکھ آئینہ میں اپنے وہ بہار عارض — پیار کے نظر و سے ہوتا ہے نثار عارض

گل کا یہ موہنہ ہے کہ حسن کا اسکے دعوی — پھر وہ ہو سکیں جسکے دو چار عارض

اب وہ سے عارض کے تلے ہاتھ دہرے سوتے ہیں — کبھی گالتکیوں پہ تھا جنکا قرار عارض

کیا برے لوگ ہیں وے ہی جو میرے گل رو کا — نگہہ گرم سے کرتے ہیں فشار عارض

مصحفی محو ہوں کس کا میں جو رہتے ہیں سدا
پتلی آنکھوں کے میری آئینہ دار عارض

ردیف "ط"

کس دن لکھا تھا آپ کو میں عاشقانہ خط — جو سو سو گا لیاں مجھے دیتے ہو لیے خط

عیش کہاں کدھر نشاط کہتے ہیں کسکو انبساط — خواب و خیال ہو گیا ہمکو تو عیش اور نشاط

آنکھیں سلا کے آؤ نگا اب تیرے بزم میں کہ لائے — دیکھوں میں تجکو کسطرح غیر سے گرم اختلاط

جان و دل اسکو ہمنے تو پہلے ہی چاہ دیا — آگے ہی نذر کر چکے اپنی جو کچھ کہ تھی بساط

داغ کہن کو تازہ پھر کرتے ہیں ہاے ہمنشیں — یاد جب آتے ہیں ہمیں اسکے قدم ارتباط

شب سے زیادہ مصحفی رہنے کا اسمیں کیا ہے لطف
دہر ہے ایک کہن سرا چرخ ہے ایک کہن رباط

ردیف "ظ"

ہوئے نہ وصل کی دولت سے ہم کبھی محظوظ
جو رفتہ رفتہ ہوا بھی تو مدعی محظوظ

میں تجھسے اور کیا چاہتا ہوں ای گل تر
کرے ہو جسکو تیری خشک آشتی محظوظ

اگرچہ زخم نخستین نہ کارگر آیا
ہوا میں کہاں کے وسلے زخم آخری محظوظ

مزا اٹھا دیکھہ کہ اب تک ہوا نہ مجنوں تکو
کرے ہو ناقۂ لیلی کی ہمرہی محظوظ

ہوئی عشق سے نسبت درست پالکی
کرے نہ اوسکی تئیں شعر نسبتی محظوظ

تیرے کلام سے ہی نسبتی کو کیا نسبت
مقام اپنے ہیں ہے تو ہی مصحفی محظوظ

ردیف "ع"

جنکے مکان چمن ہیں وہ لوٹیں بہار شمع
ہم غمزدوں کی بزم میں کب ہے گذار شمع

تقدیر کا گلہ مجھکو اُسکے نصیبوں پہ کیا کہوں
پروانہ کس طرح سے ہوا ہے نثار شمع

دیکھا تھا اُسکو پردۂ فانوس سے کہیں
تھمتی نہیں ذرا مژۂ اشکبار شمع

پروانہ سر ٹپک کے لگن ہی میں مر گیا
ایسے کہاں نصیب کہ ہو ہمکنار شمع

دیکھا ہے جب سے اُس مہ تاباں کو مصحفی
کچھ زرد ہو گیا ہے تبھی سے عذار شمع

ردیف "غ"

یا در پہ ہی بسا کرے ہے میرا خونخوار تیغ
کرتی ہی خون بیگناہاں گام گام تیغ

کبھی جو غصے کے وقت اُسکے ہاتھ آتی تیغ
تو اُسنے کھینچ کے میری ہی ایک لگائی تیغ

اُسے بھی سخت تمنائے شستِ پاتی تھی
بھلا ہوا کہ میرے خون میں نہائی تیغ

وہ پیچ پوچ کے کل مصحفی سے بگڑا تھا
لپٹ کے یاروں نے ہاتھ اُسکے سے چھنائی تیغ

جب اُسنے قبضہ پکڑ ہاتھ میں اُٹھائی تیغ
قیامت ایک غریبوں کے سر پہ لائی تیغ

نہ ہاتھ چوم سے لئے اُسکے دور کر دو ابھی
جب اُسنے سر پہ مرے پیار سے لگائی تیغ

سکے وہ کیونکہ نہ دل میں کہ مصحفی شب دوش
میں خالی دے گیا وار اُسنے جب لگائی تیغ

ردیف "ف"

تھی جو جنون زدہ گئی زنجیر کی طرف
ہمکو قضا جو لائی تو شمشیر کی طرف

اُسنے پاؤنکو لگائی جو حنا چاروں طرف
شعلہ ایک گل کی خیاباں کو لگا چار طرف

سیر گلشن کو نہ جا جان کہ رنگ گل سے
آتشیں ہو رہی ہے آج ہوا چار طرف

آتشیں دم جو سحر تیغ چمن نے کھینچا
کیسی گھبرائی پھری باد صبا چار طرف

کون ایسا وہ تیری تیغ کا کشتہ ہی جسے
ڈھونڈتی پھرتی ہے مقتل میں قضا چار طرف

مصحفی نے جو نکالی یہ زمیں تازہ
وو ہیں شور اسکی فصاحت کا پڑا چار طرف

ردیف "ق"

آگیا دیکھتی آنکھوں کے دن اور رات میں فرق
ہو گیا پھر میری اور اسکی ملاقات میں فرق

زندگانی کا جو تھا چین وہ مطلق نہ رہا
تیرے جاتے ہی نہیں آیا میری وفات میں فرق

تجھ میں کیا آئی یہ اُسکی جو وہ یوں روٹھ رہا
مجھسے کس روز ہوا اُسکی مدارات میں فرق

اور موسم میں جدا بھی رہو تم تو نہ رہو
پر میری جان نہ کرو موسم برسات میں فرق

مصحفی کر نہ عبث شکوہ ایام فراق
اگلی نسبت تو بہت ہی تیری حالات میں فرق

ردیف "ک" و "گ"

رکھتی ہے جو عارض کی تیری جلوہ گری رنگ
ویسا تو کہاں پاوی میاں حور و پری رنگ

دیکھا ہے تجھے جلوہ کناں جب سے چمن میں
ہر گل کا اڑاتی ہے نسیم سحری رنگ

جو نالہ کہ آغشتہ بخون سینے سے نکلا
پایا نہیں اسمیں بھی بجز بے اثری رنگ

تا دامن قاتل ہو نہ آلودہ تہمت
زخموں میں چھپاتا ہے یہ خون جگری رنگ

گر دیکھیے جوں شمع سحر بشری کو انکے
ہے بزم نشینان جہاں کا سفری رنگ

اے مصحفی جو گل کہ اوگا خاک سے میرے
لایا نہ وہ آخر کو بجز بے ثمری رنگ

چہرے پہ نازکی سی ہے جوش شکست رنگ
یہ تازہ گل ہے لالہ فروش شکست رنگ

فندق اگر یہی ہے تو جاویگا تا فلک
ہر برگ گل سے آج خروش شکست رنگ

گل روپ انکا دیکھیو چہری جو آج ہیں
کاہش سے غم کی جلوہ فروش شکست رنگ

گذرے گا بزم غیر میں جو تم پہ شب سحر
آکر وہیں کہیگا سر دوش شکست رنگ

اتنا میں تنگ ضعف ہوا ہوں کہ مصحفی
ہستی میری گراں ہے بدوش شکست رنگ

ردیف "ل"

کردیا اسکی کمر نے ہمکو بیمار خیال
بیٹھے بیٹھے ہو گئے ہیں ہم گرفتار خیال

گر خیال اسکا کبھی آیا ہے اپنے خواب میں
خواب میں بھی ہم رہے ہیں نازبردار خیال

دیکھئے سودائی کاکل سی بچیگا کیونکہ دل
بیطرح پیچھے پڑا ہے اسکے آزار خیال

اُسکے آنیکا بھی اب وہ بیوفا مانع ہوا
ہم غنیمت جانتے تھے جسکا دیدار خیال

ہو چکے وے دن جو وہ رشک قمر تھا روبرو
مصحفی اب میں ہوں تنہا اور شب تار خیال

ترسا نہ مجھکو کھینچ کے تلوار مار ڈال
گر مار ڈالنا ہے تو اک بار مار ڈال

کچھ ہمنے تیرے ہاتھ تو پکڑی نہیں لیا
گر جانتا ہی ہمکو گنہگار مار ڈال

صیاد تجھکو کسنے کہا تھا کہ فصل گل
مجھکو قفس میں کرکے گرفتار مار ڈال

جو جاں بلب ہو حسرت دیدار میں ترے
دکھلا کے اُسکو جلوۂ رخسار مار ڈال

سودائیاں عشق کا جھگڑا کہیں چکے
لیجا کے اُنکو بر سر بازار مار ڈال

گر یہ بھی ہو سکے نہ تو کہتا ہے مصحفی
دو چار کرلے قید میں دو چار مار ڈال

ردیف "م"

جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم
عالم کے میاں خانہ برانداز ہوئے تم

نسبت تمہیں کیا تازہ نہالان چمن سے
اب نام خدا سرو سرافراز ہوئے تم

میں تمسے نہ بولونگا کبھی ای لب بستہ
اُس بن بہ تبسم بھی اگر باز ہوئے تم

مرغان چمن کرتے ہو کیوں ہرزہ درائی
کیا قہر ہوا کچھ جو خوش آواز ہوئے تم

پہنے سے میاں جامہ گلرنگ کے یہ کیا
طاؤس صفت اور بھی طناز ہوئے تم

اے مصحفی مرغان چمن رہ گئے خاموش
جب باغ میں جا زمزمہ پرداز ہوئے تم

غنچہ نے تیرے لب سے لیا وام تبسم
اور آنکھونے سیکھا گل بادام تبسم

زلفوں میں اچھا نہیں کچھ اُسکے بنا گوش
پنہاں کرتی ہو سنت صبح پہ شام تبسم

جس گھر میں ہو خورشید رخ یار کا جلوہ
موجود ہو وہاں تا بلب بام تبسم

اُس زیر لبی خندہ کے کشتہ نہیں جوں جسکا
نزدیک ادا فہموں کے ہے نام تبسم

اے مصحفی میرے دل ناشاد کی خاطر
ایجاد کیا اُسنے بدشنام تبسم

جوں شمع داغ غم نے جلایا بدن تمام
نکلی نہ دل سے پر ہوس سوختن تمام

اُسکے بدن سے حُسن ٹپکتا نہیں تو پھر
لبریز آب و رنگ ہے کیوں پیرہن تمام

ہر قسم ہے یار کے لکنت کی مصحفی
گر اُسکے منہ سے ہمنے سنا ہو سخن تمام

وہ چاندنی رات اور وہ ملاقات کا عالم
کیا لطف میں گذرا ہے غرض رات کا عالم

ہے مجلس خوباں کے زہے اسیر کہ باہم
ہوتا ہے عجب انکے اشارات کا عالم

وہ کالی گھٹا اور وہ بجلی کا چمکنا
وہ مینہ کی بوچھاڑیں وہ برسات کا عالم

دیکھا جو شب ہجر تو رویا میں کہ اسوقت
یاد آیا شب وصل کے اوقات کا عالم

ہم مصحفی قانع ہیں بخشک و تر کیلیے
ہے اپنے تو نزدیک مساوات کا عالم

کیا وصل کی شب کی میں کہوں رات کا عالم
وہ رات تھی یارب کہ طلسمات کا عالم

اوقات بسر خون جگر کھا کے کروں ہوں
عالم سے جُدا ہے مری اوقات کا عالم

اے مصحفی چل تو بھی تطلب کو کہ کہیں ہیں
آتا ہے بہت جیڑ لو نئیں میوات کا عالم

خط پہ ہے سبزہ زار کا عالم
رخ پہ ہے نو بہار کا عالم

برق و سیماب نے کہاں پایا
اس دل بیقرار کا عالم

جل گئی شمع دیکھ عاشق کے
اس دل بیقرار کا عالم

خاکساراں دہر سے ہے جدا
اس تری خاکسار کا عالم

نکلی ہے اسکی زلف پرخم سے
سنبل تابدار کا عالم

کر گئیں ہیں قہر ساری آنکھیں بھی
پر غضب ہے خمار کا عالم

مصحفی روزگار کیسا ہے
کہ نہیں روزگار کا عالم

لطف و غمیں تیری یاری کو بیوفا تھے ہم
اسیری جان و دل بے خطا گرفتار تھے ہم

دامان جیب اپنا گریباں سے چمن تھا
تو سیر کو نہ آیا اور بہار تھے ہم

آئے تھے پاس تیرے جو دور دور سے ہم
کم بخت دیکھے اتنوں سے اشتیاق تھے ہم

صید زبوں سے اپنے کیوں تو نے منھ کو پھرا
اسیری کام کے تھے اگر ہزار تھے ہم

اے مصحفی تصور اسکا جو بندھ گیا تھا
با صد ہزار حسرت شب ہمکنار تھے ہم

کب لگ سکے ہے جفا کو اوسکی وفای عالم
تو جسکا ہو گیا ہے صبر آزمائی عالم

کیا لطف عاشقی کا اب رہ گیا ہماری
یہاں آخر جوانی وہاں ابتدائی عالم

ایسے سے داد خواہی محشر میں کیجیے ہے
ہر ایک غمزہ جسکا ہو فتنہ ہائے عالم

کب داد کو کسی کی پہونچا وہ روی دلکش
بیٹھے تو اوسکو پایا حسرت فزای عالم

جب عالم حیات سے بیگانہ وہ نگہ تھی
پاتی تھی تب بھی اوسکو ہم آشنای عالم

ہیں مصحفی ہم اب تو پابند حادثہ کے
دیکھیں ٹلے ہے کس دن سر سے بلای عالم

باس نفس سرد کی تھی سینے میں جا گرم
یا لب سے نکلتی ہی کیا لو چلی ہوا گرم

جاڑے کی لب اتنی نہ معلوم ہو مجھکو
آوے مری پہلو میں جو وہ تنگ قبا گرم

پرستش ہوی ایک کی ہرچند ہمیشہ — کوچے میں ترے حشر کا ہنگامہ گرم

صیاد ٹک آرایش زندان و قفس کر — ہیں سوختے اسیراں خبر باد صبا گرم

سنتے ہو میاں مصحفی آخر تو بکے ہو
ایک اور بھی پڑھ بیٹھو غزل اس سے سوا گرم

ہم کرنے نہ پائے تھے چمن میں ابھی جا گرم — جو آئی اٹھا نیکو ہیں باد صبا گرم

پھولوں کا چھڑک کر جو اسے بھیجے پنکھا — نازک ہے وہ اتنا کہ لگے اوسکو ہوا گرم

میں زخم جگر اوسکو دکھایا تو مزا دیکھ — لے منہ سے اوگال سنے وہ ہیں اپنے رکھا گرم

لے قیس خبر محمل لیلی تو ہووے — اس دشت سے آتی ہے کہ ہے آوازِ درا گرم

اے مصحفی خاموش کہ قایل ہوں میں تیرا
احسنت ہی مجلس کو بہت تو نے کیا گرم

ردیف "ن"

ایک عالم میں کیا تو دربدر میرے تئیں — پیش ازیں اے عشق اب رسوا کر میرے تئیں

اور سب تم سے ورے بیٹھے ہیں — ایک ہم ہیں کہ پرے بیٹھے ہیں

پھٹ چکا جب کہ گریباں تب سے — ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

شیشہ کی طرح اے ساقی — چھیڑ مت ہمکو بھرے بیٹھے ہیں

قتل کا کس کے ارادہ ہے جو آپ — ہاتھ قبضے پہ دھرے بیٹھے ہیں

مصحفی یار کے گھر کے آگے
جیسے کتنے گھرے بیٹھے ہیں

آتا ہے جی ہی میں [illegible] یاد کر اپنا [illegible] — رونے سے بھی ٹک اپنا دل شاد کروں

کس واسطے بیٹھا ہے جیسا اٹھا تو [illegible] — کیا میں ہی کوئی نوحہ بنیاد کروں رووں

یوں دلمیں گذرتا ہے جاکر کسی صحرامیں / خاطر کو ٹک ایک غمسے آزاد کروں رووں
کسواسطے فرقت میں جیتا مجھے رکھا ہو / یعنی میں تیری صورت جیسا ہو کروں رووں
اے مصحفی آتا ہے یہ دلمیں کہ اب میں بھی / رونے میں تجھے اپنا استاد کروں رووں

زبسکہ چشم ترنے بہاریں نکالیاں / مژگاں میں اشک سرخ سی پہولوں کی ڈالیاں
لوہو بہرا ہے ہاتھ حنائی نہ پونچھیو / ازبسکہ اسنے کشتوں کی جانیں نکالیاں
کرتی ہیں خون سیکڑوں تجھکو بتاؤں کیا / پانوں کی سرخیاں تیری ہونٹوں کی لالیاں
کل کررہا تہا غیر سے نظروں میں گفتگو / پر دیکھتے ہی کچھ مجھے آنکھیں چرالیاں
اے مصحفی بتاں سے محبت نہ کیجیو / ظالم غضب کی ہوتی ہیں یہ دلّی والیاں
اوروں کی دیدبازیاں نظروں میں ٹالیاں / دیکھا جو ہمنے اسکو تو آنکھیں نکالیاں
تیر چشموں کے خوف سے ہر صبح باغمیں / جوں شاخ بید کانپتے ہیں پہولوں کی ڈالیاں
طوطی شکرشکن ہیں لب یار کچھ تو بول / کیدہر گئیں وہ اب تیری شیریں مقالیاں
دلمیں خیال زلف سے طوفاں نہ کیونکہ ہو / اکثر گھٹائیں اٹھتی ہیں ایدہر سے کالیاں
کرتے ہیں خون سیکڑوں عاشق کے مصحفی / جسوقت پان کہاتی ہیں یہ چونے والیاں

دل تیری بیقراریاں کیا تہیں / رات وے آہ و زاریاں کیا تہیں
تیرے پہلو میں اسکے مژگاں سے / برچھیاں یا کٹاریاں کیا تہیں
سرمہ دینے میں اسکے آنکھوں کی / کیا کہوں آبداریاں کیا تہیں
اپنا عاشق نہ تہا تو آئینے میں / نظریں وے پیاری پیاریاں کیا تہیں
مصحفی گر نہ تہا تو عاشق زار / پھر تو یہہ جاں نثاریاں کیا تہیں

نہ ہر دم ہر گھڑی اس ذلت و خواری پہ روتا ہوں
الٹا کر گر پڑا ساغر مرا کل دست ساقی سے
مجھے وقت وداع دوستداراں یاد آتا ہے
مرا دل زلف کے حلقوں سے ہرگز چھٹ نہیں سکتا

میں تھا آزادہ دل اپنی گرفتاری پہ روتا ہوں
تبھی تو طالع خستہ میں نگونساری پہ روتا ہوں
میں جب ناچار ہو کر اپنی ناچاری پہ روتا ہوں
میں اس بیمار کے پرپیچ بیماری پہ روتا ہوں

زمانہ سیم و زر سے مصحفی ایسا تھا کب خالی
نہ اپنے مفلسی عالم کی ناداری پہ روتا ہوں

ناپا کبھی نہ رو پیشہ عشق کا مرض
کافر تو ہو گئے تیری زلفوں کو دیکھ کر
پیچھے لگی وہ دو زلفیں دل زار کے پھریں
سن لو مرگ میرے میری دل کی خواہشیں

سو صد رنگیں اگرچہ اس آزار کی پھریں
از بسکہ تیغیں اور الالیعار کے پھریں
یہاں تک کہ آخرش کو اسے مار کے پھریں
ایک عمر گرد آرزوئے یار کے پھریں

کیا کیا نہ حور جھک کے بالوں کو کھول کر
گرد مزار مصحفی زار کے پھریں

ہے لیا گلزار آنکھوں میں
رات جاگا ہے تو کہاں چوتے
کام کر جاتے ہیں تیری آنکھیں
لال ڈورے ہیں اس پہ رو کے

کیا سماوے بہار آنکھوں میں
انتہا کے خمار آنکھوں میں
جھکے جھکے ہزار آنکھوں میں +
ہے قیامت بہار آنکھوں میں

تارے گن گن کے مصحفی کاٹی
میں شب انتظار آنکھوں میں

مخلوق ہوں یا خالق مخلوق نما ہوں
ہوں شاہد تنزیہ کے رخسار کا پردہ
ہے مجھ سے گریبان گل صبح مطر

معلوم نہیں مجکو کہ میں کون ہوں کیا ہوں
یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردے میں چھپا ہوں
میں عطر نسیم چمن باد صبا ہوں

گوش شنوا ہو تو میرے رمز کو سب سمجھے — حق یہ ہے کہ میں ساز حقیقت کے نوا ہوں
ہستی کو میرے ہستی عالم نہ سمجھنا — ہوں ہست تو پر ہستی عالم سے جدا ہوں
یہ کیا ہے کہ مجھپر میرا عقدہ نہیں کھلتا — ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

اے مصحفی شانیں ہیں میری جلوہ گریں
ہر رنگ میں میں مظہر آثار خدا ہوں +

از بس تیری ادائیں مجھکو کڑھاتیاں ہیں — جب دیکھتا ہوں تجھکو آنکھیں پھراتیاں ہیں
کیونکر کہے میں نباندہوں مضمون تازہ ہر دم — سو باتیں تیری آنکھیں مجھکو سجھاتیاں ہیں

اے مصحفی تو اسکو مت دیکھ چوری چوری
کم بخت یہ نگاہیں تہمت لگاتیاں ہیں

تمہاری میری کج ادائیاں ہی رہیں — رہے جو پاس تو باہم لڑائیاں ہی رہیں
ہوئی نہ ساز میری اسکی صحبت شب ہائے — ادھر سے عجز ادھر سے رکھائیاں ہی رہیں

اب اسکے ملنے کا کیا لطف مصحفی باہم
نہ وہ سلوک نہ وہ آشنائیاں ہی رہیں

جہاں باز سپاہی یہیں بیجان ہوئے ہیں — کہتے ہیں اسی کوچہ میں گھمسان ہوئے ہیں
دیکھا ہے تجھے جبسے وخورشید لئے پھرتے — لے لیکے بلائیں تیری قربان ہوئے ہیں

اے مصحفی مت پوچھ کہ دلی سے نکلکر
کیا کہیے کہ ہم کتنے پشیمان ہوئے ہیں

ہوں ناحق ہے تیرا نقش و نگار دامن — کہیں تجھ گل نہ کھلا وسہ یہ بہار دامن
رنگینی گریہ خونی کی اودھر رنگینی — اب گریبان ہو کس شئہ سو دوچار دامن

مصحفی کیونکہ نہ بہر کوں میں کہ تحریک نسیم
آتش دل یہ میری کرتی ہے کار دامن

اول تو تھوڑی تھوڑی چاہت تھی درمیانیں
پھر بات کہتے لکنت آنے لگی زباں میں

صورت پہ اوسکی وارو جاتی ہے جان اپنی
ہر چند خوبصورت ہیں اور بھی جہاں میں

اے مصحفی وہاں سے ہم خوب رو کر آئے
سوئے چمن گئے تھے کیوں موسم خزاں میں

پھول لالہ کے نہ اونچا کے جو ہم نکلے ہیں
پے گلگشت جگر ہو کے بہم نکلے ہیں

ہیں دم تیغ پہ یہ دیدۂ حیرت زدگاں
پھول نرگس کے جو بے نوک قلم نکلے ہیں

ایسی آزردگی کیا تھی ہمیں اوس کوچہ سے
پھر نہ آنیکی جو ہم کھا کے قسم نکلے ہیں

جس بیاباں خطرناک میں اپنا ہے گذر
مصحفی تا فلک اوس راہ سے کم نکلے ہیں

تم گرم ملا ہے نہ سرما کے دنوں میں
پیش آئے ہے بگڑی ہی تو گرما کے دنوں میں

تو غرفے سے جھانکے نہ کبھی بام پہ آئے
پنہاں رہے تم حسن دل آرا کے دنوں میں

جی ہی میں رکھی اپنی میاں جیسی جو اوچی
کچھ ہم نے کہا تم سے تمنا کے دنوں میں

دل اپنا الجھتا تھا نہیں چند لوں بیگانہ
تھی زلف تیری طرح لیلا کے دنوں میں

مفلس ہوں ہے اے مصحفی افسوس کہ ہم نے
پیدا نہ کیا یار کو پیدا کے دنوں میں

بن دیکھے جسکی پل میں آنکھیں بھر آئیاں ہوں
کیا قہر ہے جو اوس سے یوں ہم جدائیاں ہوں

خطرا رہے گر اوس سے دو دن جدائیاں ہوں
آنکھیں نہ وہاں کسی سے اوس نے لڑائیاں ہوں

مشکل ہے اوسکا جینا جس کشتۂ وفا پر
مژگاں کی جنبشوں سے چھریاں چلائیاں ہوں

ہم چور دل کا اپنے کیونکر کہیں نہ اوسکو
آنکھیں ملا کے جسنے نظریں چرائیاں ہوں

کیا جانئے رشک سا ہمکو اے مصحفی رہے پھر
ساری بہانے اوسکی جب آشنائیاں ہوں

ہم تو اُس کوچے میں گھبرا کے چلے آتے ہیں
دو قدم جاتے ہیں پھر جا کے چلے آتے ہیں

دن کو زنہار ٹھہرتے نہیں اُس کوچے میں
رات کے ملنے کی ٹھہرا کے چلے آتے ہیں

وہ جو ملتا نہیں ہم اوسکی گلی میں دل کو
در و دیوار سے بہلا کے چلے آتے ہیں

جاتے ہیں کوچے میں ہم اُسکی تو واں غیر کو دیکھ
پھر نہ آنے کی قسم کھا کے چلے آتے ہیں

مصحفی کے تئیں دیکھیں ہیں جو وہ کشتہ پڑا
پاس جاتے نہیں شرما کے چلے آتے ہیں

اُس نازنیں کی باتیں کیا پیاری پیاریاں ہیں
پلکیں ہیں جسکی چھریاں آنکھیں کٹاریاں ہیں

ٹک صفحۂ زمیں کے خاکے پہ غور کر تو
صانع نے اس پہ کیا کیا شکلیں اتاریاں ہیں

دل کی طپش کا اپنا عالم ہی ٹک جدا ہے
سیماب و برق میں کب یہ بیقراریاں ہیں

اُن محملوں پہ آوے مجنوں کو کیوں نہ حسرت
جن محملوں کے اندر دو دو سواریاں ہیں

جاگا ہے رات پیارے تو کسکے گھر جو تیرے
پلکیں اونیدیاں ہیں آنکھیں خماریاں ہیں

نومید ہیں بظاہر گو وصل سے ہم اوسکے
دل میں تو سو طرح کی امیدواریاں ہیں

کیا پوچھتے ہو ہمدم احوال مصحفی کا
راتیں اندھیریاں اور اختر شماریاں ہیں

سنتے اُس کے خواہاں ہیں لو پیار کے ہو گئے ہیں
ہم لوگ ہیں بازاری دیدار کے ہو گئے ہیں

کیا نیکو ہوا ہمکو گلزار میں آ بیٹھے
اے صاحب گلشن ہم گلزار کے ہو گئے ہیں

دیوار میں جس گھر کے ہوں چار طرف رخنے
ہم گرسنہ چشم ایسی دیوار کے ہو گئے ہیں

ٹک کوہ کے دامن میں ہو سرو خراماں چل
واں کبک دری تیری رفتار کے ہو گئے ہیں

اے مصحفی سودی کو لوں لوگ تو وہ جیسے
کہتا ہے کہ ہاتھی ہی سرکار کے ہو گئے ہیں

چاہنے والے تیرے میرے سوا اور بھی ہیں
میں نہیں ایک گرفتار بلا اور بھی ہیں

جیسے گل تو نے دئے تھے مجھے لاکر ویسے
پھول اس باغ میں اب یا د صبا اور بھی ہیں

میں ہی جوں لالہ نہیں داغ بدل آتش بجگر
کشتۂ و سوختۂ رنگ حنا اور بھی ہیں

خواہش وصل کروں اس سے تو کہتے ہیں کہو
ہاں اس درد کی جو پاسے دوا اور بھی ہیں

مصحفی گوہر اشک اپنا جو پوچھو انہیں پاس
تو وہ خوش ہو کے کہتے ہیں مجھ سے آور بھی ہیں

ہے مے گلگوں کی تیری یہ گلابی ہاتھ میں
یا دل پرخوں ہو میرا ای شرابی ہاتھ میں

آستین اوسنے جو کھینچ تک چڑھا لی وقت صبح
آرہی مارے بدن کی بے حجابی ہاتھ میں

آیئے کیونکر شعر صاف ایسے ای وہ مصحفی
حسن اوسکی ہے فرد انتخابی ہاتھ میں

جی میں آتا ہے کہ بوسہ کف پا کا لیلوں
رنگ سا ہو شوخیہ تیری تازہ حنا کا لیلوں

قتل کرنے میں میری اتنی شتابی کیا ہے
ٹھہرا و بتا میں ذرا نام خدا کا لیلوں

میں دعا عرش پہ پہنچوں ہوں جا سے قبول
نالہ چاہے ہے اثر میں کی ہما کا لیلوں

ضعف اتنا ہے کہ پہنچوں میں نہ گلشن تلک
ہاتھ میں ہاتھ نہ تا باد صبا کا لیلوں

مصحفی میری تمنا ہے یہی اب لاتو مدام
کہ خواہش کو جو عہدہ امرا کا لیلوں

تخت طاؤس پہ جب دم ہو سلیماں کا جلوس
مورچھل ہاتھ میں میں بال ہما کا لیلوں

سرمشک کا ہے تیرا لتو کا فور کی گردن
تو ہوئے پری ایسی نہ یہ حور کی گردن

ساعد میں نہ پہلی تھی تیری پلکم پناں تھی
دال ہاتھ میں ماہی سقنقور کی گردن

یوں مرغ دل اوس کے پھندے میں پھنسا ہے
جوں رشتۂ صیاد میں عصفور کی گردن

دل کیونکر تیری جسد کا پر اسپہ نہ پہلے
صانع نے بنائی تیری بلور کی گردن

ایک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزا ہے
اور دوسرے میں ساقی مخمور کی گردن

ہر جنبش میں ہے کہ جھکا کے کوسفید کرتا ہے تجھے
یہ خم نہ ہوئی اس بت مغرور کی گردن

کیا جانئے کیا حال ہوا صبح کو اوسکا / ڈھلکی ہوئی تھی شب تیری رنجور کی گردن

یوں زلف کے حلقہ میں پہنسا مصحفی الواسے
جوں طوق میں ہووے کسی مجبور کی گردن

قطعہ درجواب اعتراضات انشا

ای آنکہ معارض ہو میری تیغ زباں سے / تو نے سپر غدر میں مستور کی گردن
ہی آدم خاکی کا بنا خاک سے پتلا / گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن
ہیں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا / ایجاد ہی تیرا یہ سقنقور کی گردن
گردن کی صراحی کے لئے وضع ہی یاں دال / بیجا ہی خم بادۂ انگور کی گردن
اس سے بھی مگر گذرا غلطی اور یہہ سنئے / باندہی ہی کوئی خوشۂ انگور کی گردن
کافور تو ہیت کا اسے سمجھا ہیں عقل / اور آپ جو پھر باندہی تو سقنقور کی گردن
یہ لفظ مشدد وہی درست ابا ہی سمجھے / خم ہوتی ہی کوئی میری بلور کی گردن
آتی نہ تمیز آئی تجھے ربط ہی کچھ سے / پھر قافیہ میں تو نے جو منظور کی گردن
یوں سیکڑوں گردن تو گیا باندہ ہوا ہی / سوچی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن
جو گردنیں میں باندہی ہیں لا تجھکو دکھاؤں / تو مجھکو دکھا دے شب دیجور کی گردن
گردن کی تئیں چاہی ہی ایک شکل کشیدہ / خم کرکے سمجھ ٹک سر مقرور کی گردن
مضمون وہ میرا ہی ہی گو اور طرح سے / باندہی تو گماں اپنی سر رنجور کی گردن
گر قافیہ پیمائی ہی منظور تھی تجھکو / تو باندہتی نہ کسواسطے منصور کی گردن
لا کہوں ہی معانی کو کیا قتل پر افسوس / سوجھی نہ تجھے دستۂ ساطور کی گردن
منصف ہو تو پھر نام نہ لیوے گا ہرگز / یہ بوجھ اٹھا سکتے نہیں مور کی گردن
منظور ہی گر نیش نہ لی تجھکو تو باللہ / باندہی نہ گر خانۂ زنبور کی گردن
ٹوٹی ہوئی پنجے کی طرح میری قلم سے / جاتی ہی پچک شاعر مغرور کی گردن

انصاف تو کر آپہی کہ اک تیغ میں کیسی
میں کاٹ کے دعوے کی تری دور کی گردن

کہڑاگ یہ گایا پہ تیری ہاتھ نہ آئی
افسوس کہ اس تان پہ تنبور کی گردن

سوجا نہ سمجھے ورنہ بناتا تو سیدم
ناسور کی بتی کو بھی ناسور کی گردن

انصاف کیا اسکا میں اشب کی حوالے
جھکتی ہی جہاں مار کی اور مور کی گردن

وہ شاہ سلیمان کہ اگر تیغ عدالت
ٹک کھینچی تو ادہر ہو دل و دہیں فغفور کی گردن

جس سر پہ ٹک اپنا وہ رکھے دست نوازش
اُس سر کا بنے تکیہ سر حور کی گردن

اس در کا جو سجدہ اوسے منظور ہو تا
ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خامش یہ سخن طول نہ کھینچ جائے
یہاں کوتہ ہی بہتر سر پر شور کی گردن

ردیف "و"

بہار گل کی خوبی ہم دل افگار و نسی مت پوچھو
مزا گلگشت کا گلشن کے بیمار و نسی مت پوچھو

میرا جی جانتا ہی یا میں جانوں ہے وہ کیا جانیں
جو تم گذری ہی مجھ پر میری تم غمخوار و نسی مت پوچھو

جو کچھ ہم پر گذری ہی وہ پوچھو ہمسے کہدینگے
خدا کیواسطے ان کج ادا رفتار و نسی مت پوچھو

قطعہ
حسن کا شعر ہے میاں مصحفی کیا حسب حال اپنا
سنو تم ہمسے اسکو خانماں برباد و نسی مت پوچھو

گئے وے دن جو رہتے تھے جہاں آباد میں ہم بھی
خرابی شہر کی صحرا کے آوارو نسی مت پوچھو

رہنے دو میرے سینہ میں پیکانکو نہ چھیڑو
از بہر خدا ناوک جانانکو نہ چھیڑو

کہتا ہے جنوں کر دو چاک گریبان بہ یکسر
یارو کوئی اُس شوخ کے داماں کو نہ چھیڑو

اس دھوم سے آئی ہے بہار ابکی کہ ہر سو
قدغن ہے کہ برگ گل و ریحاں کو نہ چھیڑو

یہ وہ نہیں ناسور کہ ہو بند کسی سے
سینے دو میرے دیدہ گریاں کو نہ چھیڑو

روٹھا ہوں جو میں اُس سے تو من لو کہ ابھی
جاؤ کوئی مجھ تازہ پشیماں کو نہ چھیڑو

اے ناصحو کچھ فکر کرو چاک جگر کا
بیہودہ میری چاک گریباں کو نہ چھیڑو

زلفیں تیری زاہد سے الجھتی ہیں تو آنکھیں
کہتی ہیں کہ اس مرد مسلماں کو نہ چھیڑو

دکھتا ہے یہ دل اور یہی فریاد کرے ہے
مت ہاتھ لگاؤ دل والاں کو نہ چھیڑو

رہنے دو پڑا مصحفی خاک بسر کو
اس غمزدۂ بے سر و ساماں کو نہ چھیڑو

ہوا ہے عشق کا اظہار دیکھئے کیا ہو
سجی ہے اوسنے بھی تلوار دیکھئے کیا ہو

اب اوسکا چلنے میں پڑتا ہے کچھ قدم ترچھا
نکالی ہے نئی رفتار دیکھئے کیا ہو

بچے تھے مر کے جس آزار سے ہم الفت میں
ہوا ہے پھر وہی آزار دیکھئے کیا ہو

کشیدہ تیغ ہے وہ قاتل اور اوسکے حضور
کھڑے ہیں سارے گنہگار دیکھئے کیا ہو

تغافلوں نے تیری ہمسے روز محشر پہ
رکھا ہے وعدۂ دیدار دیکھئے کیا ہو

اٹھائے صدمے بہت ابتدائے الفت میں
الٰہی عاقبت کار دیکھئے کیا ہو

شب فراق میں دیکھا جو کچھ کہیں دیکھا
سحر ہوئے پہ نمودار دیکھئے کیا ہو

ملیں ہم اس مہ نامہرباں سے یا نہ ملیں
فلک سے رہیگے آزار دیکھئے کیا ہو

ہماری بزم سے اے مصحفی سحر ہوتے
گیا ہے ہوکے وہ بیزار دیکھئے کیا ہو

پھر عشق کا ان روزوں آزار ہوا مجھکو
جینا تیرے ہاتھوں سے دشوار ہوا مجھکو

پلکوں سے بلائیں لیں میں اپنی ہی آنکھوں کی
جس وقت تیرا پیارے دیدار ہوا مجھکو

مژگاں نے تیری پھر ان سینے پہ چلائی ہے
سر سے تیری آنکھوں کا تلوار ہوا مجھکو

میں اپنے تئیں درخور نہ تمہارا پایا پھر
محفل میں تیری پیارے جب بار ہوا مجھکو

اے مصحفی ایک بت سے پھر آنکھ لڑی میری

ہر تار گریباں پہ زنّار ہوا مجکو

ہے ہو ٹک اسطرف کو اجی پہر کے دیکہ لو
ایک ناتواں کا جاتی ہے جی پہر کے دیکہ لو

کشتہ کو اپنے چہوڑ کے بسمل کہاں چلے
یہ تو تڑپ رہا ہے ابہی پہر کے دیکہ لو

کیا مجہکو چہوڑ نزع میں جانا ضرور تہا
اور یونہی ہے خوشی تو ذری پہر کے دیکہ لو

مارا ہی جسکو تیغ نظر سے اُسی میاں
ابرو کی یوں کجی ہے کجی پہر کے دیکہ لو

وہ سنکے پہرا چمن سے چلے تو کہ اتنے میں
بولا یہ ہنسکے کبک ذری پہر کے دیکہ لو

میری نظر بہی کو لگے دور چشم بد
اسدم تو بن رہی ہو پری پہر کے دیکہ لو

تم مصحفی کو چہوڑ کے بسمل چلے گئے
رخصت حیا نے اتنی نہ دی پہر کے دیکہ لو

حسن اور عشق یار ہیں دونو
روز و شب ہمکنار ہیں دونو

چشم بد دور تیری چشم سیاہ
آفت روزگار ہیں دونو

تیر سے تیز نگہ کے اے صیاد
دیدہ و دل شکار ہیں دونو

زار روتی ہیں میری دیدہ تر
رشک ابر بہار ہیں دونو

جیب و دامن کا میری حال نہ پوچھ
اب تو ہیں تار تار ہیں دونو

بطر یوں کلیم اور قند سے
جان و دل سے یہ یار ہیں دونو

کوئی سمجھے تو مصحفی و خلیل
شعر میں یادگار ہیں دونو

یوں بیچ شب کے ہیں سوالات چلاؤ
پہ تجکو قسم ہے جو کہیں بات چلاؤ

کیا اپنی ہی ست کہتے ہو اس شوخ کی باتو
میرا بہی کہیں ذکر ملاقات چلاؤ

اوس انجمن خاص کے ای بیٹہنے والو
میرا بہی تو ذکر کسی رات چلاؤ

میاں مصحفی ہرگز نہ کرو کام کسی سے
سنبہلے سے ہوا اپنی تم اوقات چلاؤ

ردیف "ہ"

کیا نظر پڑ گئیں وہ چشم خمار آلودہ
شفق صبح تو ہے زور بہار آلودہ

قتل اپنے کا تو کچھ ڈر نہیں یہ ڈر ہے مجھے
کہ میری خون سے ہو دامن یار آلودہ

ایکدن رو کے نکالی تھی میں ہاں کلفت دل
اب تلک دامن صحرا ہے غبار آلودہ

پھول کیا چاہیے تربت پہ شہیدوں کو میرے
جوشش خون سے ہے خود خاک مزار آلودہ

مشتعل ایسکہ ہے سینہ میں میری آتش عشق
آہ جو نکلی ہے دل سے سو شرار آلودہ

مصحفی گلشن ہستی میں تو ہمکو ہرگز
نظر آیا نہ کہیں جز گل خسار آلودہ

اٹھنے سے تیرے ہو شور قیامت بھی گیا بیٹھ
اے فتنہ برخاستہ از بہر خدا بیٹھ

پیدا نہ کہہ اس روی دل افروز کے آگے
یوں چاہیے تو سب اپنا بدن جیسے چھپا بیٹھ

شمشیر سے کچھ کم نہیں محراب در اسکا
اس در پہ جو بیٹھے ہے تو گردن کو جھکا بیٹھ

کیا ہم نہیں پہچانتے یہ ساختہ صورت
غصہ سے ٹک ایک اور بھی تو منہ کو بنا بیٹھ

اے مصحفی کیا دیکھے ہے یہ مجلس خوباں
اک آدھ سے تو بھی کہیں یاں آنکھ لڑا بیٹھ

ہیں اشک کے قطرے کی میری پلکوں گرہ دیکھ
حسرت سے میں تیری ٹک ادھر اے رشک پری دیکھ

[illegible] جدا طوق میں پڑی ہیں [illegible]
گلشن میں رگ گل تیری نازک کمری دیکھ

لالے کی حنا باندھیں نہ کیوں پانو کو اپنا
یہ خون شہیدان ہے کہ نسیم سحری دیکھ

صیاد نہ رکھ میرے تئیں کنج قفس میں
میں صید زبوں ہوں میرے بے بال و پری دیکھ

لکھتا ہے غزل اور بھی ایک مصحفی اسوقت
رفتار کو اسکے کی ٹک اے کبک دری دیکھ

ردیف "ی"

جمنا میں کل نہا کر جب اوسنے بال باندھے
ہمنے بھی اپنے دلمیں کیا کیا خیال باندھے

آنکھوں سی گر کرے وہ زلفونکو ٹک اشارا
آویں چلے ہزاروں وحشی غزال باندھے

لالہ کی شاخ ہرگز لچکے نہ پھر چمن میں
گر سر پہ سرخ چیرا وہ نونہال باندھے

بندا ہوں میں تو اوسکی آنکھوں کے ساحری کا
تار نظر سو جسنے صاحب کمال باندھے

سوز دل اپنا اوسکو کیا مصحفی سناویں
آگو ہی وہ پھرے ہے کانوں سے شال باندھے

انداز کے صدقے ہیں نہ ہم ناز کے صدقے
گر ہیں بھی تو اس نرمے آواز کے صدقے

ایکبار اوڑا ہو نہیں تو مرغان گلستاں
سو بار ہوئے ہیں میری پرواز کے صدقے

مت دیکھ تو اوروں کی طرف میری طرف دیکھ
کافر میں تیری چشم فسوں ساز کے صدقے

اے مصحفی کیا تیرا بھی انداز سخن ہے
واللہ کہ ہیں ہم تو اس انداز کے صدقے

اوس طفل کو دیکھو تو یہ رنگ کسو کا ہے
شعلہ ہے شرارا ہی آتش ہے بھبوکا ہے

یا اسکا کبھی حلقہ وہ ساعد سیمیں تھا
یا حلقۂ آہن اب طوق اپنے گلو کا ہے

اب مصحفی خستہ اس در سے کدہر جاوے
مارا تیرے ابرو کا ہے کشتہ تیری مو کا ہے

یہاں ضعف سے یہ گردن زنہار نہیں اٹھتی
واں بار نزاکت کے تلوار نہیں اٹھتی

کب درد جگر مجھکو بیتاب نہیں کرتا
کب ہوک کلیجے سے یکبار نہیں اٹھتی

کب سلک گہر پیارے بازو سے ترے جدا ہوتی
رکھتی ہے کہ آخر کو وہ بار نہیں اٹھتی

میں نے جو کہا اوس سے چل بیٹھئے مجلس میں
بن آپکے واں لذت زنہار نہیں اٹھتی

تب منھ کو پھرا اپنے ایک ناز سے وہ کافر
بولا کہ میری ابتو پیزار نہیں اٹھتی

اے مصحفی میں کیونکر اس غم کو بھلا ٹالوں

ٹہالی پہ میرے رنل ہے سو یار نہیں اٹھتی

جسوقت کہ کوٹھو پہ وہ ماہ تمام آوے ؛ کیا دور ہے گر اوسکو سورج کا سلام آوے
کہتے ہیں کہ عاشق کو آتی ہے اجل جلدی ؛ کسطرح کا آتا ہے لئے صبح و شام آوے
پاؤنکو لگا مہندی دل خون کیا میرا ؛ کیا جانئے کیا آفت تا وقت خرام آوے
ہم آپ ہی خط لکھ لکھ بھیجیں ہیں اسی ورنہ ؛ مدت ہوئی اودہر سے نامہ نہ پیام آوے

اے مصحفی میں کیونکر سے پینے سے منھ موڑوں
جب یار ہو خود ساقی یا شیشہ و جام آوے

غبغب کی موج جاہ ذقن میں سما گئی ؛ گرتے ہی کچھ کوئیں پہ پھسلی سما گئی
ایک شاخ گل پہ صبح مری جا پڑی تھی آنکھ ؛ قامت کو تیری مجکو قیامت دکھا گئی
وارستہ عرب کے جو گذرا وہ خود فروش ؛ لیلی دو کان ناز کو اپنے اٹھا گئی
فغاں کہ سرسری سی کسیکی نگاہ لطف ؛ بیٹھے بٹھائے ایک ہمیں تہمت لگا گئی

کنج قفس میں ہتو رہے مصحفی اسیر
فصل بہار باغ میں دہوم مچا گئی

کون عہد وفا اس بت سفاک سے باندہے ؛ سرکاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندہے
دریائے سرشک اپنا جو طغیان پر آوے ؛ دامن کو وہیں دامن افلاک سے باندہے
دل جو حرم میں تو میری آہ کا شعلہ ؛ قندیل ستون حرم پاک سے باندہے
پیدا گئی دل سے عجب کیا ہے جو عاشق ؛ تیر ادم خنجر جگر چاک سے باندہے

اے مصحفی شاعر وہ ہے جو ایسی زمیں میں
مضمون نئے قوت ادراک سے باندہے

وابستہ جو کنت دل صد چاک سے باندہے ؛ گر تار جگر ہوئے تو کیا خاک سے باندہے
مےمی سے کروں توبہ تو پہر ابر بہاری ؛ اوس سال تو خوشہ نہ رگ تاک سے باندہے

کل میں شب بھر انہیں تیری غصہ کی ماری
الماس کی ٹکڑے جگر چاک سے باندھے

ہم سجدہ ادا کر سکے اب سر کو ہمارے
نیزے پہ کہو خواہ وہ فتراک سے باندھے

کیا کیا نہ غزال ختنی مصحفی میں نے
اس وشت میں تار نظر پاک سے باندھے

جب اس بت نے مہندی بھری ہاتھ دیجو گی
ہم آنکھوں سے یک لخت خوناب روئے

جنہیں تیری ٹھوکر کا تھا دل میں کھٹکا
لحد میں بھی آرام سے وے نہ سوئے

زبس شوق تھا اسکو رنگ حنا سے
میری خاک پہ بیج مہندی کی بوئے

لگ مصحفی خون رویا ہے چپ چپ
ہیں سرخ اب تلک اسکی آنکھوں کے کوئے

دوری نہیں وہ چشم سیہ زار تو دل سے
دن رات اسے کام ہے خونخوار تو دل کا

ایک داغ نیا ہر بن مو پہ ہے نمایاں
یہ پھول چنے ہیں شہریار تو دل کی

شعلہ کا تیرے حسن کے فانوس بنا ہے
تو اس پہ بھی غافل ہے ہوا داری دل کا

غم کیونکہ چھپاؤں میں کہ چہرہ کا ہی رنگ
عالم کو نشاں دیتا ہے بیمار ہے دل کا

اے مصحفی جز درد و غم و نالہ و زاری
حاصل نہ کیا ہمنے تو کچھ پیار سے دل سے

ہو سچا ہے زباں تجکو وفاداری دل سے
کیا ہیں نہیں واقف تیری بیزاری دل کا

کرتا تھا یہ دل پیش ازیں مشق طپیدن
ہے اپنی شکایت ہمیں اظہار تو دل کا

کہا سیکو نہیں یاد کہ پہونچے ہے ہمیشہ
بیہوشی کا مژدہ ہمیں ہشیار تو دل کا

ان روزوں پھر اس شوخ کی آنکھوں کے گیا ہی
بازار نظر گرم خریدار تو دل کا

اے مصحفی سمجھے ہیں ہم اس شوخ کو عاقل
کیا لطف جو غافل نہیں معمار ہی دل سے

اب تو چشم جگر سے ہی بہنے — خون دل ہمکو اپنے پینے ہی ہے
کھینچکر تیغ یار آیا ہے — اس گھڑی سر جھکا دیئے ہی بنے
دل گرا ہی پڑے ہے سینے سے — اب یہ دل ہاتھ میں لیئے ہی بنے
یار کا صبح پر ہے وعدۂ وصل — ایک شب اور بھی جیئے ہی بنے

اب تو اس درد دل کی تاب نہیں
مصحفی کچھ دوا کیئے ہی بنے

آثار صبح ہجر کا انجام دور ہے — اے دیدہ اور رو کہ ابھی شام دور ہے
مے پی پلکوں تو دیکھو بدمستیاں میری — یا رو ابھی تو لب سے میرے جام دور ہے
بیٹھا ہے نقش سب کا لب یار پر درست — الا کہ اس نگین سے میرا نام دور ہے
جب سے نظر پڑی ہوا اس ابرو کی تیغ پر — ستر ہمارے بالش آرام دور ہے

کیوں مصحفی کو دیکھ کے کہتا ہے دور دور
مدت سے تجھسے آج یہ بدنام دور ہے

کچھ خون روئے گا ہی لخت جگر نکالے — پھر تو نے رنگ اپنے اے چشم تر نکالے
پھر تو بہار آئی اور غنچہ شگوفہ پھولا — ہر شاخ نے ثمر نے پھر برگ و بر نکالے
کوئے بتاں میں میری چپ رو ادھر نظر ہی — شاید کوئی پھر اور غنچے سے سر نکالے
اے شوق جانفشانی کچھ تو خبر نہیں ہی — دست ستم میاں سے شمشیر اگر نکالے

تو بس زمیں پہ اپنا اے مصحفی دھرے پانو
یہیں قدم سے تیرے وہ گنج زر نکالے

کٹ گیا ہے وہ ستمدیدہ کہیں مدت سے — کچھ خبر مجھکو دل اپنے کی نہیں مدت سے
نہیں آزردگی اپنی کو کریں گے ظاہر — دلمیں کھٹکے ہے تیری یہ جبیں مدت سے
کچھ نہ پوچھو کہ غم عشق بتاں سے یارو — گر رکھا ہے میری خاطر کو حزیں مدت سے

آسماں تازہ نہیں بر سر بیداد آیا — یاد ہے اسکے تئیں شیوہ کیں مدت سے

مصحفی اوسکی گلیوں میں رہا آخر شور
تھی مری خون کی پیاسی یہ زمیں مدت سے

اول تو یہ دہج اور یہ رفتار غضب ہے — تسپر تری پازیب کی جھنکار غضب ہے
خورشید کا منہ ہے کہ طرف ہوسکے اس سے — یعنی وہ برافروختہ رخسار غضب ہے
ابتک حرم وصل سے محرم نہوئے ہم — کعبہ میں حجاب اب در و دیوار غضب ہے
گر ایک غضب ہو تو کوئی اسکو اٹھا وے — رفتار غضب ہے تری گفتار غضب ہے

اے مصحفی اُس شوخ سے ٹک بچکے تو چلنا
سنتا ہے میاں وہ بت خونخوار غضب ہے

گلخن ہے کہ در تک کوئی یاں آنے نپاوے — اور پھر آوے بھی تو پھر جانے نپاوے
واں روزن دیوار بھی اب بند ہوئے ہیں — تاسینے روزن کوئی دکھلانے نپاوے
یوں صاحب بستاں کا ہی اب حکم کہ صیاد — اس باغ میں بلبل کا قفس لانے نپاوے
تو شوق سے لچکا قد جوں شاخ گل اپنا — پر موئے کمر دیکھیو بل کھانے نپاوے

کعبہ میں تو ہمکو نہ ملا مصحفی یار وہ
بھیجو کوئی قاصد اوسے بتخانے نپاوے

ایک پل میں بھلائے سب کچھ دہر زمانیکے — صدقے میں گیا تیری اس آنکھ لڑانیکے
ہمنے نہ لگایا دل ہر چند کہ عالم میں — اسباب مہیا تھے سب دلکے لگانیکے
اس آنے و جانے میں کیا ناز نکلتا ہے — صدقے تری آنے کے قرباں تری جانیکے
رفتار تری پھیر لائی تھی قیامت کل — انداز تھے سب اسمیں مردوں کے جلانیکے

میاں مصحفی اتنا تو رویا نہ کرو صاحب
خوناب سے سب تر ہیں تکیے بھی سرہانیکے

تیرا شوق دیدار پیدا ہوا ہے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے

یہ مدفن ہے کس کا جو ہر لالہ یاں سے
جگر خون دل افگار پیدا ہوا ہے

اوڑا دی ہیں لخت جگر آہ نے جب
ہوا میں بھی گلزار پیدا ہوا ہے

کہے تھی یہ طفلی میں دیکھ اسکو دایہ
یہ لڑکا طرحدار پیدا ہوا ہے

یہ دل مجھسے لڑتا ہے تیری طرف سے
کہاں انکا طرفدار پیدا ہوا ہے

میاں مصحفی بیچتے ہو جو دل کو
تو لاؤ خریدار پیدا ہوا ہے

ہستی ہے کہ ایک ابر ہوا دار اٹھا ہے
اس ہستی سے کتنوں کو ابھی مار اٹھا ہے

دیکھے جو کوئی اوسکو تو کہتا ہے کہ اللہ
یہ طفل بھی کیا شوخ و جفاکار اٹھا ہے

اوس بزم میں آیا ہے میرا ذکر تو ناگاہ
وہ ہاتھ میں لیکر وہیں تلوار اٹھا ہے

چاند ابر میں جاتا ہے چھپا شرم کے مارے
شاید کہ تیرا پردۂ رخسار اٹھا ہے

میں ساعد نازک کے تیرے صدقے ہوں تجھسے
کیونکر قفس مرغ گرفتار اٹھا ہے

اے مصحفی دل جنے اٹھایا ہے جہاں سے
اٹھتے ہوئے وہ یاں سے سبکسار اٹھا ہے

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے ایک مجھپہ عذاب آتا ہے

قاصد اوس کوچے سے پھرنے کا نہیں اے ہمدم
جھوٹ کہتا ہے کہ نامے کا جواب آتا ہے

میں تیرے واسطے سر ٹیکوں ہوں دیوار سے
چین کس طرح تجھے خانہ خراب آتا ہے

فرصت وقت غنیمت ہے کہ اے دل وہ شوخ
آج اس راہ سے بدمست شراب آتا ہے

مصحفی کے بھی کچھ احوال کی ہے تجکو خبر
روز اس کوچے میں باچشم پر آب آتا ہے

سر اوسکے یہ کیا کوئی دستار باندھے
جو پھرتا ہو گلیوں میں زنار باندھے

کمر باندھتے تو کیا قتل عالم
قیامت ہے جس دم وہ تلوار باندھے

کوئی سحر سے باندھتا ہے دکاں کو
وہ کافر جو آوے تو بازار باندھے

نہ ساون کرے نیر برسنے کا دعوی
جو یہ دیدۂ تر کبھی تار باندھے

تپ دل سے ہے درد سر مصحفی کو
سر اپنا نہ کیونکر یہ بیمار باندھے

باتوں نے اوسکے ہمکو خاموش کر دیا ہے
گو زبان تہی لیکن اب گوش کر دیا ہے

جب یار قد میں تیرے کھینچا ہے میں نے نالہ
سرو چمن سے اوسکو ہمدوش کر دیا ہے

اے مصحفی اٹھا ہے جب اوسکے میرے شعلہ
بار آستین میں اوسکو خاموش کر دیا ہے

دامن کی ایک جھپک نے مدہوش کر دیا ہے
مثل چراغ ہمکو خاموش کر دیا ہے

ہمراہ آہ از بس لخت جگر اوڑے ہیں
یہ عرصہ ہوا کو گلپوش کر دیا ہے

کون آیا ہے نہانے لطف بدن کو کیسے
لہروں سے سارا دریا آغوش کر دیا ہے

نوبت سخن کی ہم تک جب آئی ہو ادب سے
خاموش کہکے سب کو خاموش کر دیا ہے

مجلس میں مصحفی کے آیا ہے جو بدعوی
میں ایک قدح میں اوسکو بیہوش کر دیا ہے

منظور گر تمہیں یہی تماشائے خلق ہے
وابستہ ایک نظر کی تمنائے خلق ہے

افسوس نجانے تو اوسکی ہی قدر کو
جو شخص تیرے واسطے رسوائے خلق ہے

کسطرح کوئی چین سے بیٹھے کہ رات دن
دور سپہر درپے ایذائے خلق ہے

میرا گناہ کیا ہے جو مجھ بیگناہ پر
عالم سمٹ کر آیا ہے دعوائے خلق ہے

معنی طلب کی صورت غالب پہ ہو نظر
صورت پرست محو تماشائے خلق ہے

پھرتا ہے نت وہ برہنہ رو جیسے آفتاب
گو خلق دیکھے کب اسے پروائے خلق ہے

شاید کہ آج مصحفی مارا گیا کہیں
اوسکی گلیوں سے کہتے ہیں غوغائے خلق ہے

کوچہ تیرا نہ جائے تماشائے خلق ہے
ہر نظارہ بیہودہ غوغائے خلق ہے

کم ہے کم بغل پہ وہ ہوتا ہے ملتفت
نت جسکے ساتھ گرمی سودائے خلق ہے

میں ہوں وہ خاک راہ کہ کوچہ میں یار کے
میرا سر شکستہ ہے اور پائے خلق ہے

کچھ شعر و شاعری سے نہیں مجکو فائدہ
الاحصول کاوش بیجائے خلق ہے

چل تو بھی مصحفی کہ وہ نکلا ہے بزم سے
ہے بار عام نوبت صحرائی خلق ہے

کیا کہوں بات میں اس گریہ کی طغیانی کی
کشتئ نوح اسے گریہ نے طوفانی کی

خوشے خوشے میری مژگاں نے گرے دامن میں
دانۂ اشک نے اس سال فراوانی کی

نوبہار آنے سے سودائی جنوں تازہ ہوا
سبزہ کی موج نے پھر سلسلہ جنبانی کی

جو سدا محو رہے اپنی ہی آرائش کا
اوسکو کیا فکر میری بے سرو سامانی کی

فصل گل میں بھی رہے کنج قفس کے ہی اسیر
ہم گرفتاروں نے کس روز پرافشانی کی

گھر میں رہنا تمہیں ہوجاویگا مشکل پیارے
کر گئی آہ اثر گر کسی زندانی کی

مصحفی وہ نہیں جہاں ریختہ گوئی کو رواج
قدر شیراز میں ہو واں نہ صفاہانی کی

خوشحال اون کا دیکھ جو گلستاں میں مر گئے
حسرت نصیب ہم ہیں کہ زنداں میں مر گئے

پہنچا نہ کام چشم کی گردش تلک دریغ
ہم اوسکے ایک ہی جنبش مژگاں میں مر گئے

نسبت درست کیجیے اپنی کس سے مصحفی
جو منتخب تھے گبر و مسلماں میں مر گئے

انداز و ناز میں تجھے استاد کر گئے
اہل زمانہ ہم پہ یہ بیداد کر گئے

پہنچی نہ گوش گل میں صدا اس چمن کے بیچ
کیا کیا نہ مرغ نالہ و فریاد کر گئے

کیا ڈر ہے باغباں جو کبھی آکے باغ میں
ہم بھی نظارۂ گل و شمشاد کر گئے

گر آگئے گلی میں تیرے ہم کبھی تو یار
رو کر تسلی دل ناشاد کر گئے

مرغان تیز بال سے شکوہ ہی یہ کہ ہائے
ہمکو اسیر چنگل صیاد کر گئے

مرداں وہیں انہوں کو لکھا اہل ہوش نے
دنیا میں آکے وہی جو تیری یاد کر گئے

ایک تو ہی مصحفی نگیا قافلے کے ساتھ
اسباب اپنا یار تو سب لاد کر گئے

کرتے نہیں جو داد تو بیداد کیجیے
یعنی کسیطرح تو ہمیں یاد کیجیے

صفحہ پہ دل کے کھینچیے تصویر روئے یار
تضحیک کار مانی و بہزاد کیجیے

تقریب کونسی ہے ہمارے نشاط کی
اس دلکو کسطرح سے بھلا شاد کیجیے

اپنے نصیب میں یہ لکھا تھا کہ فصل گل
کنج قفس میں زمزمہ بنیاد کیجیے

اوڑنے کے بال و پر ہیں کہاں مصحفی مگر
اب پھر سراغ خانۂ صیاد کیجیے

عاشق کو اپنے منع محبت سے دیکھیے
یہ بھی سے دیکھیے تو مروت سے دیکھیے

ڈرتے کہ دسترس ہی نہو اس عذار پر
پھر کسطرح نگاہ بحسرت سے دیکھیے

میری طرف بھی دیکھیے ٹک میرے رو برو
نظروں نہیں ہر کسی سے اشارت سے دیکھیے

اس درجے سے اپنا پانو نہ رکھیے زمین پر
میری تو کیا ہے شہر کو غارت سے دیکھیے

اے مصحفی نجانیے اوسکی گلی کے بیچ
سنیے کیسی بات جہالت سے دیکھیے

تم رات وعدہ کرکے جو ہم سے چلے گئے
پھر تب سے خواب میں بھی نہ آئے بھلا گئے

اب کس ہوس سے باغ میں دیکھو میں جائیے
وہ شوق ہی نہیں رہا وے ولولے گئے

آتش میں تیرے عشق کی مانند چوب خشک
جب تک کسی نے ہمکو جلایا جلے گئے

وعدہ تہا پشت بام پہ اوس مہ کا نیمروز
ہم نا تمام بھول گئے دن ڈہلے گئے

رکہتا تہا مصحفی تو بہت شوق کوئے یار
ہم ساتھ اپنے آپ ہی اوسکو نہ لے گئے

ہر ایک نے نگاہوں سے مجھے ڈالدیا ہے
کیا میرے تئیں عشق نے اقبال دیا ہی

ترکیب تو دیکھ اُسکے خوش اسلوبیٔ کی
جیسے کہ وہ سانچے سے ابھی ڈھال دیا ہی

میں ہوں وہ گنہگار کہ عبرت لئے ابھی سے
ہاتھوں میں میرے نامۂ اعمال دیا ہی

ہنستے ہو تو ابھی اسی طرح مجھپہ ہنسو نا
یوں منھ میں میاں کاہیکو رومال دیا ہی

اے مصحفی اوس شوخ کی باتوں پہ نجانا
لاکھوں کو لگا اوسنے یونہیں ٹال دیا ہے

سمجھو بیارے کہ تیری زلف کا تار نازک ہے
تو کا فر بل ندے اسکو کہ نپٹ نازک ہے

گل و نسرین و سنبل ہیں سبھی نازک تر از نازک
نہ تنہا اس چمن کی نرگس بیمار نازک ہے

تیری چہرہ کے ہنگام تماشا دل دہڑکتا ہے
نگاہیں سخت ہیں بیباک اور رخسار نازک ہے

نزاکت عاشق اور معشوق کی یکساں نہیں ہوتی
میری گفتار نازک ہے تیری رفتار نازک ہے

نہیں تشبیہ دے سکتے ہم اوسکو رشتۂ جاں سے
زبس اے مصحفی موئے میان یار نازک ہے

فراغت میں بتانکی صورت دلخواہ یاد آئے
پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آوے

نہ ہنسنا بولنا نے اسطرف کا ہی نظر کرنا
بھلا کس بات پر ہمکو تمہاری چاہ یاد آوے

ہم اوٹھکر خواب سے تیری گلی کا قصد کرتے ہیں
گدا کو صبح دم جوں بارگاہ شاہ یاد آوے

اوسی کے نور سے تہا کلبۂ احزاں میرا روشن
شب غم کیوں نہ مجکو ہر گھڑی وہ ماہ یاد آوے

نت اوسکی بزم میں اے مصحفی ہو ذکر غیروں کا
یہ کیا معنی جو گاہے بندۂ درگاہ یاد آوے

جسدم کہ آنکھ میری اوس شوخ سے لڑی ہے
تکا فرنگاہ اوسکی بجلی سی آپڑی ہے

لخت جگر سے از بس پایا ہے رنگ اوسنے
لوہو مزار اتبک سر پہ میرے کھڑی ہے

اے مصحفی وہ اتنا خوشتر و نہیں ہوا پہ
کیا جانیں آنکھ تیری کس وضع سے پڑی ہے

محبت میں صادق یہ اغیار ٹھہرے
ہم ایک بات کہکر گنہگار ٹھہرے

گلی سے تیرے کوئی بچکر نہ آیا
سپاہی گئے وے جو دو چار ٹھہرے

ہوئے کامیاب اوس سے بیدرد یار
ہم ان حسرتوں کے سزاوار ٹھہرے

ٹھہر جائے یہ جان برلب رسیدہ
جو وعدہ پہ اپنے وہ عیار ٹھہرے

سدا ہمسے بیہوشیاں ہیں ہو کیں یاں
ہم اے مصحفی کیونکہ ہشیار ٹھہرے

برق رخسار یار پھر چمکی
اس چمن کی بہار پھر چمکی

میری گریہ سے آب و تاب آیا
صورت روزگار پھر چمکی

خون عاشق سے وہ زرہ دامن
دم شمشیر دار پھر چمکی

دیکھیو پاؤں رکھدیا کسنے
آج کیوں نوک خار پھر چمکی

مصحفی کی جو تونے دُرریزی
شاعری تیری یار پھر چمکی

اگر بتوں کی تمنا سے دل میرا پھر جائے
تو دو نہیں شعر و سخن کا میرے مزا پھر جائے

جو دیکھتا ہے میرا حال زار کہتا ہے
خدا کرے کہ کہیں اوس سے دل تیرا پھر جائے

عجب نہیں جو تیرے [illegible] او ظالم
زباں پر آکے میرے حرف مدعا پھر جائے

اگر میں رونے پہ آؤں برنگ ابر بہار
ابھی زمانے کی [illegible] ہوا پھر جائے

پکارتا ہے تجھے مصحفی جواب تو دے
کھڑا ہے یہ تیری آستاں پہ پا پھر جائے

عجیب پاکیزہ صورت اس بت کافر ادا کی ہے — غرض میں اور ترے کیا کہوں قہر شے خدا کی ہے
درخت اس باغ کے سب جو ہیں جیسے متوالے — نشا ہی لالہ و گل تک یہ کیفیت ہوا کی ہے
میرا اور اوسکا خلطا آج کل کا کچھ نہیں یارو — یہ الفت دوستی جو کچھ کہ ہے سب ابتدا کی ہے

نہ نام عشق لے اے مصحفی میں تجھے کہتا ہوں
کہ ان باتوں میں اے کمبخت تیری ہی ہلاکی ہے

کب اس طرح وہ بت کج کلاہ آتا ہے — گدا کے گھر بھی کہیں بادشاہ آتا ہے
سنا ہے میں نے کہ پھر آج کل گلی میں تری — بزیر تیغ کوئی بے گناہ آتا ہے
وہ آوے اوسکا تو مذکور کیا ہے یاں مجھ تک — خیال اوسکا مگر گاہ گاہ آتا ہے

مری تو آنکھیں بھر آتی ہیں مصحفی کو دیکھ
جب اس گلی سے بحال تباہ آتا ہے

گر ابر گھرا ہوا کھڑا ہے — آنسو بھی تلا ہوا کھڑا ہے
حیران ہے کس کا جو سمندر — مدت سے رکا ہوا کھڑا ہے
ہے موسم گل چمن میں ہر نخل — پھولوں سے لدا ہوا کھڑا ہے
شمشاد برابر اوسکے قد کے — وحشت سے بچا ہوا کھڑا ہے
خلوت ہو کبھو تو یوں کہے وہ — کوئی در سے لگا ہوا کھڑا ہے
تیرا ہی ہے انتظار اوس کو — تا قصر تو کسا ہوا کھڑا ہے

اے جان نکل کہ مصحفی کا
اسباب لدا ہوا کھڑا ہے

زلف مشکیں ہو جہاں سنبل کی بو کیا چیز ہے — گل کو کہتا ہے ترا عارض کہ تو کیا چیز ہے
ہم وہ وارفتہ ہیں یارو جو سمجھتے ہی نہیں — شوق کہتے ہیں کسے اور جستجو کیا چیز ہے
تیغ کو لا جی کی حسرت ہے مرے جیسے نکال — پوچھ پھر جو اس گھڑی پھر آرزو کیا چیز ہے

آنکھ کی کھلتے ہی دیکھا اوسکو روی تیغ تیز
زخم دل کیا جانتا ہی یہ رفو کیا چیز ہے

اوسکی جھنجلانے میں بھی نکلیں ہزاروں لطف ہے
مصحفی میں کیا کہوں وہ تند خو کیا چیز ہے

اوسکی رفتار کا مذکور جب آجاتا ہے
جی کی ہوتی ہی یہ حالت کہ رندھا جاتا ہی

ہی جو کاغذ پہ لکھا مطلب بیتابی شوق
خود بخود نامہ ہوا پر ہی اوڑا جاتا ہی

ہی تمہیں رونے سے کسکو یہ دکھانا منظور
کاجل آنکھوں میں دو وقت جو دیا جاتا ہے

اب اگر دل کے تئیں لاکھ طرح سمجھاتے ہیں
اوسکے بن دیکھے کوئی جیتے رہا جاتا ہے

مصحفی سنیو کہ اس بحر میں ایک مطلع اور
بہتر از مطلع خورشید کہا جاتا ہے

کون اس باغ سے ملے باد صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اوڑا جاتا ہے

دلکے دھڑکوں کا یہ عالم ہی کہ پیوستہ دست
پردے ہو ہو کے گریبان اوڑا جاتا ہے

گئے وے دن کہ تمنا ہیں ایک اشک کی تھی
اب تو آنکھوں سے دریا سا بہا جاتا ہے

بے ادب تئیں مطلق نہیں صحبت کا شعور
شانہ کیا تیری زلفوں سے لگا جاتا ہے

مصحفی عشق کی وادی میں گذر ہے کسکا
بھولا بھٹکا کوئی ایدہر کو بھی آجاتا ہے

لاف گرمی تیری عارض سے جو گلشن مارے
آتش گل پہ صبا طیش سے دامن مارے

کیا ستم ہی کہ تو غرفے میں پری بال سے کھلے
اور لٹکا یہ ترا دیدۂ روزن مارے

دشمن و دوست کو الفت نے تیری ایک کیا
ہاتھ پر ہاتھ نکیوں شیخ و برہمن مارے

تیری آنکھیں ہیں وہ رہزن کہ بھووں کے کافر
قافلے لوٹ لئے سیکڑوں رہزن مارے

سرو کو اپنے میں کیا ملاکہ وہ سرو قدان
اسکی یہ کچھ ہی کہ ٹھوکر دم رفتن مارے

کشتنی اور بھی زندگی بہت ہیں لیکن
میں یہ چاہوں ہوں وہ پہلے مجھے گردن مارے

مصحفی چاہے تو اس سے بھی غزل گرم کہے
اس زمیں جو کوئی میر کی طرح گہن مارے

غنچہ سر آنکھ نہ یوں وہ بت پرفن مارے | اور جو مارے تو مجھے تیغ سے گردن مارے
کیا غضب ہے کہ جو گذرے ترے کوچے سے | جھانک اپنی ہی طرف دیدۂ روزن مارے
اوسکی تربت پہ بنا تازہ چمن لے صبا و | جسکو یاں حسرت نظارۂ گلشن مارے
سختی عشق سے ہاتھ اپنا جو پتھر کے تلے | اسکو سینہ پہ کوئی کیا دم شیون مارے
اے خوشا حال انہوں کا جو تری کوچے میں | خاک پتھر سے ملی بیٹھے ہوں آسن مارے
ہمتو ای غیرت لیلی تیری خاطر اب تک | قیس کی طرح پڑے پھرتے ہیں بن بن مارے

مصحفی کام مرا ضبط سے اب درگذرا
کب تلک غم میں کسی کے کوئی تن من مارے

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل اپنا پھر جائے | پھروں جو اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے
زرا جو اب تو ہی اٹھ کے اپنے سائل کو | یہ بے نصیب تیری آستاں سے کیا پھر جائے
روا ہی یہ کہ نہ آوے تو در تلک اپنے | دل ستمزدہ دیکر تجھے دعا پھر جائے
عجب یہ کیا ہے جو دیکھے وہ گھور کر مجکو | لبوں پہ آ کے میرے نالۂ رسا پھر جائے
کرے اشارہ جو مژگاں سے سو ما کو وہ شوخ | تو دیکھے گرد مرے بنکر بلا پھر جائے
ہوا ہے اپنی پھر سیاہ پیا گلا ہی سے | نکر رنگ صبا داکہ یہ ہوا پھر جائے
نہ پلٹے تیغ تیری نہ رہے تیری عاشق کے | یہ بات اور ہے جو آ کئی ہوئی قضا پھر جائے

سناؤں اب کی غزل مصحفی ایک ایسی ہی
کہ جس سے سب کی زبانوں پہ مرحبا پھر جائے

دکھا کے دور سے وہ مژہ کی گر ادا پھر جائے | تو پارسائی سے پھر اپنی پارسا پھر جائے
وہ اضطراب ہے اوسکو کہیں جو آوے بھی | تو دیکھے خط مجھے قاصد بہ ہزار پا پھر جائے

پہالے پیتے ہو بہر بہر کے سبکو تم کیا ہو
میری طرف بھی اگر ہاتھ آپ کا پہر جائے
وہ آفتاب جو آوے نکل تو اوسکی طرف
خود آفتاب گل آفتاب سا پہر جائے
دیا ہے مجکو یہ برگشتہ طالعی نے اثر
کہ آسکے سر پہ میرے سایۂ ہما پہر جائے
ترے شہید کا کوئی نہیں اوسکا خون
تیری گلی میں مگر پہر خونبہا پہر جائے
بکہیر دے جو وہ زلفوں کو اپنے کاندہے پر
تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پہر جائے

بدلکے قافیہ لکہہ ایک غزل اب ایسی اور
کہ جسکے پڑہتے ہی اے مصحفی ہوا پہر جائے

غم اسکا کچھ نہیں گو مجھ سے اک جہان پہر جائے
یہ ہو کہ میرا یار مہربان پہر جائے
نقاب منہ سے نکہول اپنے میری آنکہوں میں
خدا ہی جانے کہ اوس وقت کیا سماں پہر جائے
روا ہے یہ کہ ترے آستاں پہ جو آوے
لگا کے منہ سے تیری خاک آستاں پہر جائے
بعید کیا ہے جو قبلہ سے تیرے منہ کیطرف
برنگ قبلہ نما روئے زاہداں پہر جائے

زمیں شگفتہ ہے اب دوسری غزل کیطرف
کمیت خامہ کی اے مصحفی عناں پہر جائے

جہاں سے جائے وہ جو تم سے امتحاں پہر جائے
ستارے پہیر لیں منہ اوس سے آسماں پہر جائے
لا در کو شوق سے رکہہ بند پر نہ آشنا ہی
کہ آدمی جو کوئی وہ ہو کے بدگماں پہر جائے
گلی میں اوسکی بہت سب کہیں ہیں آنا دیکہہ
نہ اپنی جان پہ کہیلے یہ نوجواں پہر جائے
ہزار بار ہیں جو رنگ اس سے کاٹتے ہیں
یہ تیغ وہ نہیں جو وقت امتحاں پہر جائے

پہریں نہ مصحفی ہم اوس سے شرط عشق ہے یہ
ہزار اپنی طرف سے وہ دلستاں پہر جائے

حجاب جاتے جاتے اوسنے پردہ اٹھا دیا ہے
عالم کو رہگذر میں عالم دکہا دیا ہے
مذکور میں دہن کے لایا ہوں زلف کا ذکر
تھوڑی سی بات کو میں کتنا بڑہا دیا ہے

آیا ہے جب چمن میں نازک نہال میرا
ہر شاخ گل نے اپنے سر کو جھکا دیا ہے
بے خط و بے کتابت یاران رفتہ تو لا
یکبار اپنے جی سے ہمکو بھلا دیا ہے
گر مصحفی میں اوس سے مانگا ہی کوئی ساغر
ساقی نے میری ضد سے شیشہ لنڈھا دیا ہے

نہ دوستی نہ محبت نہ دلبری دیکھی
جو کچھ کی دیکھی میں اوس کی ستمگری دیکھی
اسی سبب تو پریشان رہا میں دنیا میں
کہ سالہا تیری زلفوں کی ابتری دیکھی
کیا ہی دعوی ہم چشمی اوس سی نرگس نے
کسنے شوخ کی تجھسے برابری دیکھی
اٹھا میں سوتے سے یوں صبحدم سراسیمہ
کسو نے جیسے کہ شب خواب میں پری دیکھی
ہوا جو مصحفی گھر بار تج کے گوشہ نشیں
اسی میں اوسنے مگر اپنی بہتری دیکھی

خط کھینچے تو نے مجھ پہ تحریر کیا نکالی
زخموں سے خون میں رنگا تصویر کیا نکالی
عاشق تو کیوں ہوا تھا تقصیر کیا نکالی
خنجر سے سر کو کاٹا تقدیر کیا نکالی
وہ قتل کو جو میرے آیا تو خلق بولی
اس ناتواں پہ تمنے شمشیر کیا نکالی
اٹھا میرے جگر کو یہ تو لگا جلانے
نالے نے اندنوں میں تاثیر کیا نکالی
گلیوں میں مصحفی کو دیوانہ کر پھرایا
اس عشق فتنہ گر نے تشہیر کیا نکالی

گر چشم تر سے ہمنے ٹک آستیں اٹھا لی
تو دل سے نالے کرکے سر پر زمیں اٹھا لی
محفل کے بیچ ناگہ آیا جو ذکر میرا
اس جنگجو نے وہیں شمشیر کیں اٹھا لی
پہونچے میں موج اوسکو کہتے ہیں آگئی ہے
کم بخت نے صراحی مے کی کہیں اٹھا لی
کل چند بار رویا اتنا یہ دل کہ اوسنے
محفل تمام سر پر اے ہمنشیں اٹھا لی
اے مصحفی نہ ہمنے رونے سی پائی فرصت
آنکھوں پہ ہاتھ رکھے گر آستیں اٹھا لی

بجلی کی کوند دیکھ اوسی منہ چھپا گئی — دل کی تڑپ پہ تو مجھکو تماشا دکھا گئی
تصویر تیری دیکھی جو شیریں نے ایکدن — تھی لب کہ باشعور وہ نقشا اوڑا گئی

تو دیکھتے ہی اوسکو جو دیوانہ ہوگیا
سچ کہیو مصحفی تیرے کیا جی میں آگئی

ملو ہو غیر و تم سے اور ہم سے بیوفائی ہے — یہ کون شیوہ ہے کیا رسم آشنائی ہے
ہزاروں مومن و کافر سجود میں ہیں یہاں — بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو ایک خدائی ہے

بغور دیکھے کوئی مصحفی تو سمجھے کہ سچ
غرور حسن میں اک شان کبریائی ہے

راہ میں کشتہ پڑے ہیں کئی ارمان بھرے — بچکے چلیو نہ تیرا خون سے داماں بھرے
دیدۂ تر کا بتاؤں میں سبب کیا تمکو — بیٹھے بیٹھے یونہیں کچھ آتے ہیں ہرآن بھرے
دیکھکر کیوں وہ مجھے آنکھ چرا جاتا ہے — مدعی نے نہیں اوس گل کی اگر کان بھرے
وہ پر آشوب ہے ہر اشک میری آنکھوں کا — جسکے ہر قطرے میں ہیں سیکڑوں طوفان بھرے

مصحفی جسکو سخن کہئے سو وہ بات کہاں
رطب و یابس سے ہیں یوں یاروں کے دیوان بھرے

شب وہ ان آنکھوں کا شغل اشکباری دیکھئے — لیجئے خواب انکا اور اختر شماری دیکھئے
چلتے چلتے اس ادا سے وعدہ آنیکا کیا — دیکھئے ہاتھ اس دلبر ادا کا زخم کاری دیکھئے
خواب و خور صبر و سکوں یکبار سب جاتا رہا — بیقرار اپنی کو کیسی بیقراری دیکھئے
بیخبر تو نے سنی ہوگی کہ اوس کوچہ میں ہے — دادرونے کی ہم اک ابر بہاری دیکھئے
گر کہیں آیا نظر اونکو کوئی مٹی کا ڈھیر — گالیاں اوسکو سمجھ تربت ہماری دیکھئے
آپ تو جانتے سب باتیں بنا اور مجکو آہ — بیقراری بیخودی بے اختیاری دیکھئے
گر ہوا عزم سفر اون کا تو پھر اے مصحفی — وقت شام آکر مجھے اپنی کناری دیکھئے

ڈرتا ہے مجھے اس دل کم بخت کی خو سے — ڈرتا ہوں کہ ہو جائے محبت نہ کسو سے
کیا باغ میں آیا تھا صبا وہ اگر پوش — جو آپ تئیں مہکے ہے چمن عطر کی بو سے
سر کعبہ نشیں ماریں ہیں دیوار سے اب تک — ایک روز کہیں پردہ اٹھا تھا تیرے رو سے
ساقی کا مرے حال یہ گر ہے یہ تغافل — سر اپنا میں دے ماروں گا ایک روز سبو سے

اے مصحفی کرتا ہے تو کیوں رحم کا شکوا
مجھکو بھی تو ایک لاگ ہے اوس عربدہ جو سے

غم دل کا بیان چھوڑ گئے — ہم یہ اپنا نشان چھوڑ گئے
راہ میں مجھکو ہمرہاں سے کہہ — جان کر ناتوان چھوڑ گئے
چلتے چلتے بھی یہ جفا کیشاں — ہاتھ مجھپر ندان چھوڑ گئے
صفحہ روزگار پہ لکھ کر — عشق کی داستان چھوڑ گئے

لے گئے سب بدن زمیں میں ہم
مصحفی ایک زبان چھوڑ گئے

کیا کہیں آہ نہ پوچھو جو مصیبت گذری — یا رب ہم پہ شب ہجر قیامت گذری
تھا میرے نالہ میں مضمون تمنا ہڑکا — جبگھڑی اوسکی نظر سے یہ شب تار گذری
تم تو آئے نہ کبھو عالم تنہائی میں — عمر گذری تو میری ایک ہی حسرت گذری
کبھی روئے کبھی بیٹھے شب تنہائی میں — ہمکو ساتھ اپنے عجب طرح کی صحبت گذری

مصحفی آگے میں کیا جانوں کہ کیا ہوویگا
ابتلک تو میری دنیا میں بعسرت گذری

حیف تو آشیاں بلبل کا ای صیاد لوٹے ہے — کوئی یوں بھی کسیکا خانہ آباد لوٹے ہے
صبا کی ہاتھ سے یوں گل لٹا ہوگا نہ گلشن میں — فلک جسطرح سے گھر کے ہمیں برباد لوٹے ہے
پھنسا ہو جسکا دل گلشن میں کیا ذوق قفس سمجھے — گرفتاری کی لذت طائر آزاد لوٹے ہے

کل پوشوں نے یوں غارت کیا اس لکھنؤ کو — کہ جیسے فوج شاہ آکر جہاں آباد لوٹے ہے

خبر خسرو کو کیا ہی مصحفی وہ وصلیں خوش ہے
کہ کیا کیا ہجر شیریں میں مزے فرہاد لوٹے ہے

ازبسکہ میری دیدۂ حیراں میں کچھ ہے — ایک آن میں دل کچھ ہے تو اک آن میں کچھ ہے
خالی ہی چلے آتے ہیں ہم سیر چمن سے — داماں میں کچھ ہو نہ گریبان میں کچھ ہے
جادو تو میں کہتا نہیں پر سمجھوں ہوں اتنا — واللہ تیری نرگس فتان میں کچھ ہے
کیوں اتنا ستم کرتی ہی ای شدت گریہ — حالت ہی میری دیدۂ گریان میں کچھ ہے

اے مصحفی مرنیکی خبر سنکے وہ بولا
کیا لگتا ہے مرجانیکو انسان میں کچھ ہے

جانیکا نہ لے نام کہ مرجائیگا کوئی — بیدرد ابھی جی سے گذر جائیگا کوئی
دھمکاوے ہے کیا تیغ و سپر باندھ کے مجھکو — ایسا تیری ان باتوں سے ڈر جائیگا کوئی
مدفون مجھے کیجیو سر راہ چمن میں — تربت پہ میری پھول تو دھر جائیگا کوئی
اٹھتے تو ہیں یہ مجلسیاں پر میں ہوں حیران — مجلس سے تیری اٹھکے کدھر جائیگا کوئی
لکھ بھیجیں گے ہم یارونکو احوال دل اپنا — دلی کی طرف قاصد اگر جائیگا کوئی
مضمون یہ نامہ میں لکھیں گے کہ عزیزاں — تب اوسکی خبر لوگے کہ مرجائیگا کوئی

اے مصحفی اوس وقت تو کیا کام کرے گا
دل لیکے اگر تیرا مکر جائیگا کوئی

دیکھنا کیسا کہ واں در تک بھی جانا منع ہے — روزن دیوار سے آنکھیں لڑانا منع ہے
گرچہ ہم رکھتے ہیں تجھکو جان سے اپنے عزیز — پر ہمیں سر کی تیری سوگند کھانا منع ہے
یہ ستم تو موسم گل میں نہ کر اے باغباں — آشیاں بلبل کا ان روزوں جلانا منع ہے
بیٹھکر بالین پہ میرے تو نہ رو ای رشک شمع — سامنے بیمار کے آنسو بہانا منع ہے

دن جنوں کے ہیں نہ ہے تکلیف کرنا صبح ہمیں
ابہوں چاک گریباں کا سلانا منع ہے

طاق ابرو پر نظر کہو اول لگائے ہیں شیخ جی
یعنی قبلہ کی طرف رکہنا انکا منع ہے

آکے بالیں پر میرے غوغا نہ کر اے شور حشر
مجھکو سونے دیکہ سوتے کا جگانا منع ہے

مر گئے جب ہم تو اوسنے اہل میت سے کہا
اب ہمیں چالیس دن مہندی لگانا منع ہے

خیریت کیا اوس سے پوچہوں میں کہ ہے یہ رسم غیر
ہم رسائی سو اسکا ہاتہ اوٹہانا منع ہے

قصد کر کے جسکے ملنے کے تئیں جاتے ہیں ہم
وا ہے رسوائی اونہیں وہانتک بہی آنا منع ہے

سادگی پر جسکے جی لوٹے ہے اپنا مصحفی
ہائے اونکو اتبک مسی لگانا منع ہے

ایک تیغ کے لگتے ہی لگی جان ٹھکانے
اچھا تو ہی لگ جائے گر انسان ٹھکانے

میں نام سفر منہ سے تیرے جب سنا ہی
اوسوقت سے اپنے نہیں اوسان ٹھکانے

نومید ہم راہ لگنے تو قاصد نے کہا یوں
یہہ خط نہیں لگتا کسی عنوان ٹھکانے

اے دست جنوں تیری مدد ہووے تو اب بہی
اک جھٹکے میں لگتا ہے گریبان ٹھکانے

تہی تہوڑی سی کچہہ رات یہ پروانہ کہے تہا
جس وقت لگی شمع شبستان ٹھکانے

گہہ دوش پہ پڑتی ہے تو گہہ دوش کمر پہ
ڈہونڈہے ہے تیری زلف پریشان ٹھکانے

نکلی جو تیری تیغ ستم میان سے کافر
لاکہوں ہی لگے گبر و مسلمان ٹھکانے

اوچہلے ہے تو کس سے جو تو جا کے پہار
سینہ ہی لگانے ہے نہ داماں ٹھکانے

اوپڑا بنا محمل لیلی کے جرس کا
صدمے سے لگا اب دل نالاں ٹھکانے

ایک اور ٹھکانے کی غزل جیسی ہی لکھئے
اے مصحفی اسوقت ہیں اوسان ٹھکانے

یا آئے میرا دل کسی عنوان ٹھکانے
یا اس غم فرقت میں لگے جان ٹھکانے

پہر پیچ طرہ دار میاں غصے میں آکر
عاشق کو لگا ہی دی آن کو ٹھکانے

آتی نہیں بانگ جرس محمل لیلے
پہنچا ہے مگر قافلہ اس آن ٹھکانے

کچھ دشت بلا سے نہیں کم عشق کا کوچہ
اس کوچہ میں لگے سیکڑوں انسان ٹھکانے

قطعہ

پھاڑا اوسکی ورق اوسنے پتنگ اپنا بنایا
اچھی لگی سعدی کی گلستاں ٹھکانے

اوس طفل کے ہاتھو لگی نہیں دور جو پہنچا
میرا بھی لگا دیوے وہ دیوان ٹھکانے

اے مصحفی اوس زلف میں لاکھوں کو ملی جا
لیکن نہ لگا ایک یہ پریشان ٹھکانے

جسدم وہ میری خاک کو ٹھوکر لگا چلے
چوکے ہی کہ دہاں سے نہ دامن اٹھا چلے

لیلی بھی سیر باغ کو ہوتی نہیں سوار
ناقہ کے آگے آگے نہ جب تک صبا چلے

بلبل کے مشت پر بھی اوڑا دو تو سیر ہے
غنچوں کو چٹکیوں میں تو آخر اوڑا چلے

نالے تو ہمنے وادیٔ غربت میں سے کئے
پر خفتگان خاک کو ناحق جگا چلے

اوٹھنے لگے جو وے میری بالین سے وقت نزع
نکلا بھی زبان سے آہستہ کیا چلے

کیا تھا خزاں میں باغکے آنے سے ہمکو کام
آئے تھے آشیانے کو اپنے جلا چلے

قطعہ

یارب یہ مصحفی کی دعا ہے کہ آج کل
مشرق سے ایکبار کچھ ایسی ہوا چلے

جو خود بخود سپہر پہ چڑھ مثل آفتاب
مغرب زمین کو تخت سلیمان چلا چلے

چشم اوسکی میر اکیونکہ دل زار سنبھالے
بیمار کو کس طرح سے بیمار سنبھالے

میں دوڑ کے لگ جاؤں ہوں ظالم کے گلے سے
جب تک نزاکت سے وہ تلوار سنبھالے

بیتابی کی حالت ہے عجب اسیر تو صیاد
کیونکر قفس مرغ گرفتار سنبھالے

سنبھلیں نہ جتاب دیکھکے پھر اوسکی جبیں کو
گر آپ کو ٹک بھی وہ طرحدار سنبھالے

شب چھیڑ جو تہا مصحفی خستہ نشے میں
بتخانے سے لائے اوسے دو چار سنبھالے

چند یوں تھی دل سے ہمپر مہربانی آپ کی
ہم لئے پھرتے تھے ہر جاگہہ کہانی آپ کی

کیا چرا کر لیگئی گل سے مینے دیکھی باغمیں
پاس لالہ کی کلی کے سرمہ دانی آپ کی

تم کرو اخفا ہی شب باشی تو ہمسے صبحدم
سرخی آنکھوں کی کہے اور سرگرانی آپ کی

سر کو دیوار وسے پٹکوں ہوں نہیں جب آتی ہے یاد
رکھہ کے سر پر ہاتھہ وہ سوگند کھانی آپکی

کام کیا کرتے ہو تم میاں مصحفی اس کا جسر میں
اور بھی دیکھیں تو ہم جادو بیانی آپ کی

چھوڑ دی ہے کب سے میں سوگند کھانی آپ کی
ہی عبث بندہ پہ مشفق سرگرانی آپ کی

بعد مدت کے ادہر آ نکلے ہو تم شیخ جی
جیمیں ہے کچھہ آج کیجے میہمانی آپ کی

لطف تب تک تھا کہ جب کچھہ بات آئی درمیان
آپنے مانی ہماری ہمنے مانی آپ کی

یاد ہیں وہ دن کہ جب ہم تم میں خلطا تھا ہم
ہمکو آسان تھی پہیلی بوجھہ جانی آپ کی

کچھہ کرو میاں مصحفی جلد سے تم اپنا علاج
کیونکے جاوی ہمسے یہ ناتوانی آپ کی

تیری رفتار سے ایک بیخبری نکلے ہے
مست و مدہوش جیسے کہ پری نکلے ہے

ایک فریبندہ ہی تیری روش طرز خرام
اوسکے جہد سے کوئی کبک دری نکلے ہے

کوٹ کوٹ اوسمیں اثر مینے بہرا ہی تو بہی
میرے نالے سے وہی بے اثری نکلے ہے

گل کو نسبت ہے اسیواسطے با اہل جنوں
وضع میں اوسکی جو ایک جامہ دری نکلے ہے

اپنے رونے کو کوئی سمجھے تو آئینہ مثال
دیدۂ خشک میں آنسو کی تری نکلے ہے

کہول دیتا ہے تو جب جا کے چمن میں زلفیں
پا بزنجیر نسیم سحری نکلے ہے

مصحفی کسکو کہلے بال تو دیکھہ آیا ہے
کہ تیری وضع سے شوریدہ سری نکلے ہے

سچ ہے جی عشق کا بیمار برا ہوتا ہے
دل کا آزار بھی آزار بڑا ہوتا ہے

جی ہی لیجائے ہے فریاد و فغاں کر کرکے / دام الفت کا گرفتار برا ہوتا ہے

جسنے دیکھا تجھے قبضہ پہ ہری ہاتھ کیا / ہاے اس وضع کا خونخوار برا ہوتا ہے

اسکا پینا نہیں مقدور ہر ایک کا ساقی / عشق کا ساغر سرشار برا ہوتا ہے

آپ کو یار ہی مرتا ہے میں دیکھا ہے بہت / مصحفی عاشق ناچار برا ہوتا ہے

کبھو تک کے در کو کھڑے رہے کبھو آہ بھر کے چلے گئے / ترے کوچہ میں جو ہم آئے تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

کہیں عشق میں تنہا پڑا ہوا اسو اور قہر کی بات ہے / مجھے دیکھنے کو جو آئے وہ تو بگڑ سنور کے چلے گئے

کروں ہم ہی دولت کا کیا بیاں یہ عجیب ہے دور زماں / ادھر آ کے سینہ پہ آرہا وہ اودھر کو کر کے چلے گئے

یہ عجب زمانہ کی رسم ہے کہ جو منتظر تھے ہم سدا / نہیں گر کبھو وہی ناکسی یہیں آ کے پھر کے چلے گئے

چلے ہیں جو اٹھکے یہ تو بھی مصحفی پہ خدا و ہر وہ بیخبر / میں پڑا ہوں جب تلک آستیں اٹھے اور ادھر کو چلے گئے

نہیں سو سو بار اب ہم اونکے گھر جانے لگے / منہ چھپانے وہ لگے ہم اونپہ مر جانے لگے

جنکے جی دیکھے نہ رہتا تھا میں اک ساعت کبھی / ہجر میں اونکے مہینے ہی گذر جانے لگے

ہائے جن آنکھوں سے قطرہ اشک کا گرتا نہ تھا / کیا غضب ٹوٹا کہ یوں لخت جگر جانے لگے

سوزش دل نے مگر پہرا ہونٹوں تاثیر کی / تم سے آنسو گرم کیوں ای چشم تر جانے لگے

مصحفی اک کہتے تھے یاد رات وہ میری خبر / یا خبر لینے کو اونکے نامہ بر جانے لگے

جس جگہ چشم تری حوصلہ پرداز ہوئی / خوبی دیدۂ نرگس قلم انداز ہوئی

ساعت عیسویاں ہی کہ میرا دل جسمیں / خود بخود چھوٹ گئی خود بخود آواز ہوئی

کان سے تیر کے تیری زلف نے سرگوشی کی / وہ ہی ہمدرد ہوئی اور وہی ہمراز ہوئی

ہیں جو پھڑکوں ہوں قفس میں تو کہو ہی صیاد / اس گرفتار کو بھی طاقت پرواز ہوئی

زلف رخسار پہ کہولی تہی سر شام اوسنے
کہ سیاہی شب ہجراں کی تہہ آغاز ہوئی

لڑکہڑاتے تہے قدم رات تیری مجلس میں
صحبت می کی تیری چال ہی غماز ہوئی

میں کہاں اور کہاں مصحفی قسمت کی یہ بات
تیری اور اوسکی ملاقات خدا ساز ہوئی

ہے غریبی میں خبر کسکو وطن والوں کی
کیا گرفتار سے پوچہو ہو چمن والوں کی

نکتہ چیں اہنو سخن پر بہی سخن رکہتے ہیں
قدر تہی اگلے زمانہ میں سخن والوں کی

نیزہ بازی کا جو فن یاد ہے مژگانکو تیری
اوسمیں سب نکلے ہو ترکیبیں کہن والونکی

کیوں نہ پروانہ جلے رشک سے اے شمع کہ ہائے
لاگ رہتی ہے لگی تجہسے لگن والوں کی

حسن پر اپنی یہ دعوا مہ تاباں کو جو ہے
کیا صفا دیکہی نہیں گورے بدن والوں کی

بال سینہ بہی ترے قہر ہیں پیارے لیکن
مار ڈالے ہے یہ چین تجاو شکن والوں کی

مصحفی زخم پہ زخم اٹہے اٹہائے جس کے
کہپ گئی دلمیں ادا بانکی پہبن والوں کی

یاران عدم رفتہ گئی دور بہت سے
ہمسایہ کے پیچہے رہے رنجور بہت سے

ایسا نہو پہر ہم بہی کریں اور سے یاری
اس حسن پہ کچہہ آپ ہیں مغرور بہت سے

اس آنکہہ لڑانے کا برا ہو وے کہ جسمیں
مارے پڑے ہیں ناظر و منظور بہت سے

آجائیے اگر جسمیں تو سو رہئے کوئی دم
کیوں آپ کچہہ اسوقت ہیں مخمور بہت سے

ٹک گور غریباں میں قدم رکہیو سمجہہ کر
آسودہ ہیں یہاں قیصر و فغفور بہت سے

پٹکی جو کہیں ہاتہہ سے شیشہ تنگ گلابی
مجلس میں ہوئے شیشہ دل چور بہت سے

اے مصحفی جاتیں نہ کبہی اوسکی گلی لیک
ہاتہوں سے ہم اس دل کے ہیں مجبور بہت سے

جی سے مجہے چاہ ہے کسی کی
کیا جانے کوئی کسیکے جی کی

شاہد رہیو تو اے شب ہجر
جب کی نہیں آنکھ مصحفی کی

رونے پہ میرے جو تم ہنسو ہو
یہ کونسی بات ہے ہنسی کی

چاہے ہے شفق کو ہوک دیوے
سُرخی تیری رنگ آتشی کی

کیا ریختہ کم ہے مصحفی کا
بو آتی ہے اس میں فارسی کی

بام پر آکر جو شب کچھ اشارا کر گئے
کیا کہیں بس کام ہی آخر ہمارا کر گئے

بخت خوش اونکے جو ہنگام سواری آنکر
سب بدن کا اوسکی چلمن سے نظارا کر گئے

تم کنار غیر سے باہر نہ نکلے شب ہے
اور ہم یاں بحر ہستی سے کنارا کر گئے

گر تیری کوچہ میں گالی بھی کسینے ہمکو دی
ہم تیری خاطر سے اوسکو بھی گوارا کر گئے

مصحفی دنیا مسافر خانہ ہے مثل سرا
ہم بھی یہاں رہ کرکے ایک شب کا گذارا کر گئے

جالی تلک آنا بھی موقوف کیا تمنے
آنکھ ملانا بھی موقوف کیا تم نے

کیا تم سے توقع ہو عاشق کو کہ چلمن سی
کچھ یونہیں دکھانا بھی موقوف کیا تمنے

رستہ میں کبھی تمکو ہم دیکھ تو لیتے تھے
سو باغ کا جانا بھی موقوف کیا تم نے

اتنے تو نہ تھے روٹھے کیا آگئی یہ جی میں
جو پان کا کھانا بھی موقوف کیا تم نے

تا مصحفی خستہ رنگ اور نہ لاوے کچھ
مہندی کا لگانا بھی موقوف کیا تم نے

بیٹھے بیٹھے جو خیال اوسکا گذر جاتا ہی
گھر اشک سے دامن و دریں بھر جاتا ہے

نہیں معلوم کہ کیا نام ہے اوسکا لیکن
کوئی اس کوچہ میں ایک آہ تو بھر جاتا ہے

بزم ماتم ہے کہے تو یہ جہان گذران
یاں جو آیا ہے سو با دیدہ تر جاتا ہے

میں تو ممنوں ہوں تصور کا تیری چوری چھپے
مجھسے آکر وہ ملاقات تو کر جاتا ہے

مصحفی یار مر اپنے شب وصل ایک عجب
کیونکہ اب پو پھٹی اور یار رہی گھر جا تلک ہے

کیا چکے اب فقط میرے نالے کی شاعری
اس عہد میں تیغ کی بہالے کی شاعری

سامان سب طرح کا ہو لٹا نکا جنکے پاس
ہی آج کل اُنہیں کے سالے کی شاعری

شاعر رسالہ دار نہ کیجے ء میں سُنے
ایجاد ہے انہیں کا رسالے کی شاعری

مرد گلیم پوش کو یاں پوچھتا ہے کون
گر گرم ہے تو شال دوشالے کی شاعری

یہ شعر گرم گرم پڑہی جاتی یوں نہیں
منھ بولتی ہی گرم نوالے کی شاعری

گر جو چلا بھی ہو وسے تو ہاں سوز کا سا ہو
کس کام کی و گرنہ جنالے کی شاعری

دیوان جنکو کفش سے افزوں نہیں ذرا
کرتے ہیں کیا وہ لوگ کسالے کی شاعری

کیسا ہی بڑہ چلے وہ کلام شریف پر
سر سبز ہو کبھی نہ رذالے کی شاعری

بعضوں نے تب لو شعر پہ حسرت کی لو کہا
کیا دال ملٹھ بیچنے والے کی شاعری

ہوں مصحفی میں تاجر ملک سخن کہ ہے
خسرو کی طرح یاں بھی اٹالے کی شاعری

خیال حسن پرستی کو طاق پر رکھ کے
تو جیتے جی ہی کال اس اشتیاق پر رکھ کے

فراق میں مجھے اوسکی نہ آوے یارب موت
کہ ڈر ہے یہ کوئی تہمت فراق پر رکھ کے

سمجھ لو اوس سے ہی انداز اشتیاق اُسکا
جو ہاتھ اپنا کوئی تیری ساق پر رکھ کے

گلی میں اوسکے کوئی جاوے کیا جو عاشق کو
سر بریدہ علم کر رواق پر رکھ کے

پڑہوں جو آگے سلیمان کے مصحفی یہ غزل
تو پھر زر اُسکے صلے کا طباق پر رکھ دے

کیا یار واوسے چھوڑ کے ہم بیٹھ رہیں گے
رستے ہی میں جا کر کوئی دم بیٹھ رہیں گے

امید کرم پر تیرے ہم آئے ہیں یاں تک
اک دن نا جو نہ کہیں گے کرم بیٹھ رہیں گے

مت ہمکو تم آزردہ کرو دیکھو کہیں ہیں / پچھتاؤ گے کر کہا کے قسم بیٹھ رہیں گے

قطعہ

سمجھے نہ تھے ہم یہ کہ محبان و عزیزاں / جا کر طرف ملک عدم بیٹھ رہیں گے

اب یہ ہیں جو بچھڑی تو کسی نگری میں ہم بھی / لے اونکی جدائی کا الم بیٹھ رہیں گے

تم بیچ میں لاؤ تو میاں مصحفی اون کو
ایک رات کہیں ملکے ہم بیٹھ رہیں گے

کی اوسنے جو اپنی مجھے تلوار حوالے / میں لیکے وہیں کی دل زار حوالے

جس دم وہ لگا چھوڑنے اقلیم جنوں کو / کی قیس نے اپنی مجھے دستار حوالے

وہ جنس زبوں ہوں نہیں کہ لے ہاتھ میں جسکو / بائع ہی کو کر دیوے خریدار حوالے

قاتل ہی کی مرضی نہیں اسباب ہے ورنہ / سر تیغ کو کرتا یہ گنہگار حوالے

گالی نہیں دیتا ہے تو کر آج بلا سے / خنجر ہی کوئی اوبت خونخوار حوالے

ملتا تھا جہاں ناز و ادا سادہ رخوں کو / واں مجکو ہوئی خوبی گفتار حوالے

مانگے جو کوئی مصحفی افسون محبت
کر لکھکے تو اوسکو میرے اشعار حوالے

تھی گل گلاب کی جو تیرے ہاتھ میں چھڑی / کرتی تھی کار تیغ اشارات میں چھڑی

کیا پھول کھل رہے ہیں مزا ہو جو خشت رز / آدھی چلی تو ایسی طلسمات میں چھڑی

بزم بتاں بھی بزم عروسی سے کم نہیں / جو ہے نئی طرح کی ہر ایک بات میں چھڑی

قالیچہ بزم عشق ہو کسطرح کہ یاں / ہر لحظہ تازیانہ ہے ہر بات میں چھڑی

ہے مصحفی سے اوسکی جو مرچیٹ باغباں
ڈالی کی جا بھی بھیجے ہے سوغات میں چھڑی

آپہنچے ہو گی جو وہ گل ہات میں چھڑی / آتے ہی جڑ دی پہلی ملاقات میں چھڑی

گلچیں کا دامن دیکھ کے شبنم کے دانتوں سے / عادت سے جڑتی ہوئی ہر ایک بات میں چھڑی

اس چوبدار کیسے سیری کیونکہ نہ پیش جائے
دکھلا دے ہے وہ مجھکو ہر ایک بات میں چھڑی

اس جرم پر نہ دست معلم قلم کرو ل
شفتالو کی لگی ہے تیری گات میں چھڑی

اے مصحفی نہ کیونکے ڈریں نیک و بد
حاکم کی ہے قلم تیری ہات میں چھڑی

آنکھوں نے اوسکی سینے پہ تصویر کھینچ لی
سرمہ نے اوسکی چشم کے شمشیر کھینچ لی

زنداں شیان عشق کو یا رب یہ کیا ہوا
پاؤں کی کس نے انکی یہ زنجیر کھینچ لی

اس جذبہ کا ہی ہوں میں دیوانہ کہ یار نے
نظروں میں میرے آہ کی تاثیر کھینچ لی

کر کے دراز ہاتھ میں کوتا خجل ہوا
شانہ نے جب وہ زلف گرہگیر کھینچ لی

ہندوستان میں لے دولت و حشمت جو کچھ تھی
کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی

تو نے تو مصحفی یہ بڑا ہے ستم کیا
ذات اپنے چال کی اوپر سے تیر کھینچ لی

ہے ایک تو آفت شب ہجراں کی سیاہی
گھونگھٹ ہے گلا اسپہ یہ زلفوں کی سیاہی

مجھکو کوئی دیوے ابھی رخصت بوسہ
لب چوس میں خال لب جاناں کی سیاہی

خورشید کو پردے میں چھپا رکھا ہے اوسنے
اللہ رے تیری زلف پریشاں کی سیاہی

ثابت کوئی ناقہ سوار آئے تو چھٹ جائے
بیو جس میں گرد بیاباں کی سیاہی

[illegible]
اور ساتھ ہے شام غریباں کی سیاہی

کوثر تا [illegible] لڑی نہیں جس کی
راتوں کو ترے خال زنخداں کی سیاہی

ہی جو لگا ہی لب جان بخش پر اوسنے
ہم سمجھے اوسی چشمۂ حیواں کی سیاہی

[illegible] گیا کتنی بھلی لگتی ہے مجکو
ساتھ آنکھوں کی مرچی کے ہے مژگاں کی سیاہی

اے مصحفی روتا ہوں میں اوس خال کے غم میں
بہہ جائے نہ کیوں دیدۂ گریاں کی سیاہی

ملنے کو جو تم چاہو تو ہے بات ذرا سی
ایک آن میں ہوتی ہے ملاقات ذرا سی

گنتی ہے شب وصل تو کہتا ہوں میں یا رب
کیا تجھکو بنانی تھی یہی رات ذرا سی

شکل مہ تمام پہ شب بیت گیا کیسا
دکھلا کے جبیں اپنی وہ بدذات ذرا سی

نرگس تیری آنکھوں کو بہت دیکھ رہی ہے
ہو جاوے نہ کاہو کو مکافات ذرا سی

خشخاش کے دانہ پہ یہ جوں سوہی قانع
ہے مصحفی خستہ کی اوقات ذرا سی

ہم گئے جان سے اور آپ نہ گھر سے نکلے
اور جو نکلے تو خدا جانے کدھر سے نکلے

حیف ہے محمل لیلے نہ نمودار ہوا
یوں تو محمل کئی یاں گرد سفر سے نکلے

رکھ کے دستار سجا آپنے مردانہ لباس
رات تم نکلے تو پر زور ہنر سے نکلے

لیکے خنجر جو جگر چاک کیا اوسنے میرا
ٹکڑے الماس کے دو چار جگر سے نکلے

مصحفی کے تئیں ٹھگ مار کے نادم ہو کہ حیف
جیسے سپلٹ سے کئی اوسکی کمر سے نکلے

خدنگ سا شرم و حیا کا نگار رہنے دے
نہ سو بند لگا تو بہت مجکو خوار رہنے دے

تو بیجو اس نہو میری بیقراری سے
میں بیقرار ہوں تو بیقرار رہنے دے

دکھا نہ آنکھ تو آنکھوں کو میری چاہت کی
آنکھوں کو بانشہ آنکھیار رہنے دے

اس اپنے غمزہ و چالاک کو الٰہی شوخ
سمند ناز پہ اوسکو سوار رہنے دے

نہ مصحفی کو لگا ٹھوکر کہ ہے یہ ذلیل
اسی طرح سے اسے خوار و زار رہنے دے

دیکھ اوسکی شب جلیں اوسان ہمارے
پھر پھر کے فلک ہو دے ہے قربان ہمارے

یاں تک ہی رہی تاریخ جسے آگ لگی ہے
دن خاک پھرینگے نہ شعبان ہمارے

جب ہو نسکا ضبط غم عشق تو آخر
کیا پھوٹ ہی دیا گریبان ہمارے

کل یار نگار رنگ سا آئینہ میں سا دیکھ وہ بولے — کیا لال ہوئے ہیں لب و دندان ہمارے
دل تجھسے نہ بیزار ہوا تا تیری طرف سے — ہر چند کہ یاروں نے بہرے کان ہمارے
پہنے ہوئے دیکھا ہے اُسے سُرخ جو جامہ — ہے دجلہ خوں تا بگریبان ہمارے

اے مصحفی ایک تازہ غزل اور سنا دے
مشتاق ہیں آخر تو سخن دان ہمارے

نکلے نہ شب وصل بھی ارمان ہمارے — افسوس کہ جی ہی میں موئے مان ہمارے
ہر چند کہ مدفون ہیں ہم کوئے مغاں میں — جنت میں پڑھے جاتے ہیں قرآن ہمارے
چھیڑنے کو کہا میں نے تو جھنجلا کے وہ بولے — آ سکتے ہیں کہاں تک یہ نگہبان ہمارے
جو ہے سو تمہارا ہی طرفدار ہے صاحب — ہندو ہیں ہمارے نہ مسلمان ہمارے
سوتا ہے وہ جب ساتھ تو جی چاہے ہے اپنا — اک بیٹا اری گل کی ہو درمیان ہمارے
کہتا تھا وہ شب ڈال کے بانہوں کو گلے میں — گردن پہ تیری ہیں کئی احسان ہمارے

کیونکر نہ غزل تیسری اے مصحفی کہیے
یہ قافیے ہیں سلسلہ جنبان ہمارے

خط لکھے یہاں سے گئے انسان ہمارے — پر آپ نہ آئے کسی عنوان ہمارے
گھر شہر میں گہ دشت میں گہ کوہ میں اپنا — اوقات ہیں بے رخت پریشان ہمارے
خواہش کے جو تلووں میں وہ طرح چبھی جا کر — اللہ ہے یوں نکل ارمان ہمارے
لاتا ہے اگر غم تو کرتی ہے وحشت — ہر روز نیا آئے ہے مہمان ہمارے
جب کرکے بناؤ آئے تو آرسی سے یہ بولے — اس وقت تو ہو اٹھے کے تو قربان ہمارے
خواہش سے میں دیکھا تو گل کہنے کر اپنے — کچھ آج بہت آپ ہیں حیران ہمارے

اور اس سے سوا مصحفی کیا ہووے گی شہرت
جنتے ہی لکھے جاتے ہیں دیوان ہمارے

خنجر سے گرم ملو ہے پہ پیدا اوسکے
اور تو کیا کہیں ہم تجھ سے بھلا یاد رہے

جب ہو مقتول کے قاتل سے تو تیغ کچھ اور
کیوں نہ حیران ہو نہ خنجر بھلا دیکھے

گر ترے آمد کی رہی سانے مصحفی سے کی روزی
تو ہو ویران کوئی بر یہ گریہ آباد رہے

دیکھ اوسکو ایک آہ ہم نے کر لی
حسرت سے نگاہ ہم نے کر لی

کیا جانے کوئی کہ گھر میں بیٹھے
اوس شوخ سے راہ ہم نے کر لی

جب اوس نے چلائی تیغ ہم پر
ہاتھوں کی پناہ ہم نے کر لی

نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

دی ضبط میں جب کہ مصحفی جان
شرم اوسکی گواہ ہم نے کر لی

وہ آکر بام پر جب اپنا مہر و مہر دیکھ لیتا ہے
تو پھر میر لیلیٰ کو ایک نظر پھر دیکھ لیتا ہے

شہید ناز تیرا روز محشر اپنی تربت سے
اٹھے ہے تب کہ جب قاتل کا سر پر دیکھ لیتا ہے

غزل جب دوسری لکھنے لگا ہے مصحفی یارو
تو اوسکی طاقت ہے بہتر سے بہتر دیکھ لیتا ہے

گلی سے اوسکی جاتا ہوں تو کیا ایک چشم حسرت سے
دل مسکیں بسوے رخنۂ در دیکھ لیتا ہے

دل مضطر نہ ہو بیٹھ تو کیوں کر گوش اوسکی …
چلا ہے شکوہ گر شب … اختر دیکھ لیتا ہے

سمک تا شعر کی … مصحفی بزم سخنگویاں
سر … کا … دیکھ لیتا ہے

زہرہ کی جب آئی کہ ہاروت میں انگلی
کی رشک سے … ہاروت نے انگلی

بن دودہ … کے تئیں … کو
رکھی ہے … عجب ایک … انگلی

یوں تو میری ناخن میں ہر ایک تار گریباں
جا … گرفتار … انگلی

شہرت ہے … عالم نے لگا دی
شیریں کی … انگلی

تھا مصحفی یہ مایل گریہ کہ پس از مرگ
تھی اوسکی دہری چشم یہ تابوت میں انگلی

ہم رہ گئے منہ تکتے جب اپنے وہ جا بیٹھے	کیا کام کیا ہے دل کس سے لگا بیٹھے
کیا رنگ حنا میں کچھ دیکھی تھی بھلا خوبی	بازی تیری ہاتھوں سے ہم سادہ جو کھا بیٹھے
اس ضعف سے برسوں کو دم ناک میں آیا تھا	ناچار ہو شب اوسپر ہم جی ہی چلا بیٹھے
آنکھیں تھی کبھی شاید اغیار سے کچھ اوٹھے	یوں سیر لطافت سے جو وہ منہ کو دیا بیٹھے

اے مصحفی بوسے کا سایل تو میں ہوں لیکن
یہ ڈر ہے وہ گالی تو مجکو دے نہ بیٹھے

رباعیات مصحفی

وہ شوخ ابھی تو مجھسے رم کرتا ہے	رباعی	جوں چاہئے اختلاط کم کرتا ہے
اتنا تو ستم نہیں نہ ملنا اوسکا		غیروں سے ملے ہے یہ ستم کرتا ہے
افسوس کہ دل کی بیقراری نگئی	ولہ	فریاد و فغان و آہ و زاری نگئی
وہ کون سا روز ہے کہ تجھ بن جوں شمع		روتے ہوئے مجکو رات ساری نگئی
ہر چند کہ وہ ہوکے خفا جاتا ہے	ولہ	اوس بن کوئی عاشق سو رہا جاتا ہے
دل بستگی ہے دلکو نپٹ اوس سے کمال		وہ چھڑکے ہے یہ ساتھ لگا جاتا ہے
یارب شہر اپنا یوں چھڑایا تو نے	ولہ	ویرانے میں مجکو لا بٹھایا تو نے
میں اور کہاں یہ لکھنؤ کی خلقت		اسے واے یہ کیا کیا خدایا تو نے
یارب تیری بزم رشک گلزار رہے	ولہ	اور بخت جوان سدا تیرا یار رہے
ہے مصحفی غریب کی نت یہ دعا		جب تک کہ جہاں رہے جہاندار رہے
سودا کا سر دیو چکا ہے بازار		اب بزم سخن ہے میری دم گلزار
ہے شان تیری جلوہ گریں ہر وقت		سچ ہے کہ تجلی کو نہیں ہے تکرار

اس کلبۂ احزاں میں وطن تو نے کیا ہے — اس تودۂ خاک کو چمن تو نے کیا ہے
القصہ کہ مصحفی کو اپنے یارب — دستان زن گلزار سخن تو نے کیا ہے
سودا کے خیال کو نہ سمجھے کوئی وہم — سودا فن ریختہ میں گذرا رستم
ہے میر تقی بھی تو اگرچہ استاد — پر اوس کے کلام کا ہے قایل عالم

مخمس بر غزل آصفی

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ پیماں شکن جدا — آتش میں تن جلے ہے جدا اور من جدا
ہووے کسو طرح سے یہ رنج و محن جدا — صورت گراں ہالکم از آں سیمتن جدا
سازید صورتے کہ نباشد ز من جدا

ہر گز غم معاش سے رکھتا نہیں میں درد — فکر معاد نے کیا رنگ چہرہ زرد
جو ہر بتاں سے بھی نہیں بھرتا میں آہ سرد — دارم ز لالہ زار جہاں داغہا کہ کرد
یعقوب را ز یوسف گل پیرہن جدا

ہے لیک میری جان مجھے تجھ سے اتحاد — تیرے سوا کسی کی نہیں مجھ کو لیں یاد
جب تک کہ میں ہوں اور ہے تو ہی ہے مراد — دور از رخت مباد مرا دیدہ بلکہ باد
مردم ز دیدہ دیدہ ز سر سر ز تن جدا

کی زندگی میں مجھ سے وفا سینہ گلبدن — ایسی کہ گل سے کرتے نہیں بلبل چمن
مرنے کے بعد بھی جو مرا خاک ہوگا تن — پیوند نگسلد ز سگت استخوان من
روزیکہ بند بند شود از کفن جدا

ہر دم تراست بر دل یاراں ترحمے — گاہے بخویش و گہ بعزیزاں ترحمے
گاہے بہ مصحفی غزلخواں ترحمے — داری بحال زار غریباں ترحمے
جز آصفی کہ بہر تو شد از وطن جدا

قصیدہ در معذرت اتمام انشا بجناب شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر

قسم بذات خدا کہ ہے سمیع و بصیر
کہ مجھ سے حضرت شہ میں ہوئی نہیں تقصیر

سوائے اسکے کہ حال اپنا کچھ کہا تھا میں عرض
سو وہ بطور شکایت تھی اندکے تقریر

گر اس سے خاطر اقدس پہ کچھ ملال آیا
اور اس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر

عوض رُپوں کے ملیں مجھکو گالیاں لاکھوں
عوض دوشالے کے خلعت بشکل نقش حصیر

سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب
جو ہے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر

مزاج میں یہ صفائی کہ کرلیا باور
کسی کے حق میں کسی شخص جو کچھ کہ کی تقریر

مصاحب ایسے کہ گر کچھ کسی سے لغزش ہو
تو اسکے رفع کی ہرگز نہ کرسکیں تدبیر

وگر کریں - تو پھر ایسی کہ نار طیش غضب
مزاج شاہ میں ہو مشتعل بعبد تشویر

سو تاب ذرہ کہاں! نور آفتاب کہاں
کہاں وہ سطوت شاہی! کہاں غرور فقیر!

مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہیئے ::
کہاں بقیع و دیبا کہاں پلاس و حریر

میں ایک فقیر غریب الوطن مسافر نام
رہی ہے آٹھ پہر جسکو قوت کی تدبیر

مرا یقیں ہے کہ مدح حضور اقدس کو
الٹکے پھیر بحرف ذمیمہ دوں تغییر

یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشا کا
کہ بزم و رزم میں ہی پایہ تخت کا وہ مشیر

مزاج شاہ کیوں منحرف تو مجھکو بھی
یہ چاہیئے کہ کروں شکوہ اسکا پیش وزیر

اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا کے لئے
تو جاؤں پیش محمدؐ کہ ہے بشیر و نذیر

شفیع روز جزا بادشاہ اوا دلئے
مگر وہ جرم پہ جسکے نہیں لکھی تعذیر

کہوں یہ اس سے کہ ای جرم بخش پرگنہاں
تری غلامی میں آیا ہے دادخواہ فقیر

خطا ہو میری جو پہلے تو کر اسیر مجھے
وگر عدو کی - پنہا اسکو طوق اور زنجیر

اگرچہ بارے انشا نے بے حمیت کو
رہا خموش سمجھ کر میں بازئے تقدیر

ولے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چاہے ہے
خیال میں بھی نہ کھینچوں میں ہجو کی تصویر

سو میں لگا نہیں ایسا - بشر ہوں تا کو چند
کہے سے اسکے کرونگا نہ ماجرا تحریر

کیا میں فرض کہ ہیں آپ اُس سے درگذرا
اور اُنہوں نے بھی جو کیا ہیں نے تازیانہ منع
ہزار خمسہ وتیں بیٹھیں ہزار جا پہ ہیں
نہ مانیں تیغ سیاست نہ قہر سلطانی
مزاج آپکا مشغول اسقدر پڑا ہے کہ
پہر اُس سے یہ بھی ہی لینے کا اہتمام کیسے بیچ
فکیت جنکو خدا نے کیا ہو موزوں طبع
یہ کوئی بات ہے جو نہ لسن کے وہ خوش رہیں
مگر یہ بات ہے دانائی کہ سوانگ کا بانی
ہیں آپ ناف کش - اتنا مجھے کہاں مقدور
مرے حواس پریشان ہاں ہیں پریشانی
اگر آپ سے صلح کی ٹہری رہے تو صلح سہی
جواب ایکا یاں دس ہیں اور دس کو سنو
حصول یہ ہے کہ سب کو قوال تک فیصلہ
تو کو قوال ہی ہیں اون سے اب کچھ لیگا
یہ وہ مثل ہے کہ جسطرح سارے شہر کے بیچ
سخن فہم ہے نادان سے جو ستم کیا
ولے مزاج مقدس ہے جو لا اُبالی ہے
جو کچھ ہوا سو ہوا ابیات ہے

پھرے گا مجھ سے کوئی کرم و نظر کا شمیر
تو ہو سکے ہے کوئی انکی وضع کی تدبیر
پہر میں ہمیشہ لئے جمع ساتھ اپنے کثیر
نہ سمجھیں قتل کا وعدہ نہ ضربت شمشیر
ہنسی سمجھتے ہیں ابیات کو نہ ہم کبیر
جو ہو وے منشی تو کچھ نثر میں ابھی تسطیر
اور اپنے فضل سے بخشی ہو شعر میں توقیر
ہوا ہے مصلحۃً گو کہ تصنیفہ ہے اخیر
اگر میں ہوں تو کچھ دیکھیے اب تحریر نا تحریر
کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آشفتہ شعیر
ہو جیسے لشکر شکستہ کی خراب بھیر
اگر ہو پھر تو ارادہ شہر ہوں میں بھی شہر بہ شہر
نگاہ کرتے تھے اوّل یا ہیں قلیل و کثیر
کیا ہوا جیسے شہر پیشاور ان شریر
یہ وہ ہمدم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
بانداز قاضی ابھی سے سمجھ ہو لبسیر
قباحت اسکی جو سمجھے شاد ہو مکو دے تحریر
نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر
زیادہ کرنہ صداقت کا تاسیر الحریر

خدا پہ چہوڑ دے سب آسیات کو وہ مالک ہے
کہو حق بجا بجا ہے جو چاہا کیا پہ کہ تم

بسم اللہ

مثنوی شعلۂ شوق

یہ جو ایک خونچکاں حکایت ہے
اوسکی راوی سے یوں روایت ہے

کہ کسی نگری میں بطرف شمال
ایک تنبولی بچہ تھا بے مثال

شہرۂ حسن اوسکا ہر سو تھا
ماہ سیما ہلال ابرو تھا

خوبرو تھا زبس وہ غیرت ماہ
ہر کسو کی پڑے تھی اوسپہ نگاہ

دور و نزدیک اوسپہ مرتے تھے
نقد دل مفت نذر کرتے تھے

آکے دوکاں پہ وہ پری رخسار
بیٹھتا جب کہ بر سر بازار

حسن یوسف سی یاد دیتا تھا
دلفریبی کی داد دیتا تھا

جو کہ اوس راستے گذر کرتا
اوسپہ خواہش کی ایک نظر کرتا

تھے خریدار اوسکے جی سے ہزار
حسن تھا اوسکا گرمئ بازار

اتفاقاً رہا شب آکے ادھر
اوسی بستی کے باہر ایک لشکر

لشکری بستی میں سے ہو نکلے
ایدھر اودھر سے ایک دو نکلے

ناگہاں ایک جوان کہنہ سوار
آن نکلا جو بر سر بازار

دیکھ کافر کی ابروئے پر خم
کھا گیا دل پہ زخم تیغ الم

آفت ایک اوسکی جان پر آئی
یہ بلا اوس جوان پہ آئی

کھب گئی دل میں چشم کافر کی کشش
سینہ پلکوں نے کر دیا سب ریش

ہاتھ سے چھوٹ گئی زمام سمند
خانۂ زیں پہ رہگیا جا بند

آکے حسرت نے اوسکو گھیر لیا
دوڑ کر بیہشی نے تھام لیا

آخر کار ہو کے سودائی
دل میں یہ بات اپنے ٹھہرائی

کہ یہاں جب تلک ہے یہ لشکر
رہئے صورت کو اوسکی مد نظر

الغرض لیکے صبح سے تا شام | بیٹھ کر دیکھتا تھا اوسکو مدام
ہو گیا جام عشق سے سرمست | مثل نیلوفر آفتاب پرست
شکل آئینہ اوسکا حیراں تھا | ہر سحر روبروے دوکاں تھا
قیمت ایک پیسہ اوسکی دیتا تھا | اوس سے ہر روز ایک گلوری لیتا تھا
عشق میں ساتھ تھی حیا اوسکے | ربط خوبی نتھی سوا اوسکے
جی پر اوسکی جو کچھ گذرتا تھا | دل ہی دل میں بیان کرتا تھا
لب سی محروم تھی صدائے آہ | بہ گئی تھی سرشک ہوکے نگاہ
روز تا شب رکھے تھا ضبط سے کام | تھا اُسے بس نہفتہ ربط سے کام
اسی صورت سے گذرے جب کئی ماہ | وارث اوس طفل کے ہوئے آگاہ
کہ یہاں آکے صبح سے یہ جوان | اسپہ رہتا ہے نت نظارہ کناں
غالباً اس سے لاگ ہے اسکو | کیجیے اسکی کچھ کچھ تگ و دو
باپ بھائی تھے سخت دانشمند | یہی تدبیر کی انہوں نے پسند
کہ کوئی اس جواں سے کچھ نہ کہو | کرم حق ہے یہ خموش رہو
رب نے ایسا ہمیں دیا بیٹا | محو صورت ہے یہ جوان جسکا
اپنی خواہش کی داد دیتا ہے | دیکھیے کیا ہمارا لیتا ہے
بعد یک چند واں سے جب ناگاہ | لائی جمع غفیر رو سے نگاہ
رات سے کوچ کا نقارہ ہوا | دل جواں کا ہزار پارہ ہوا
تھا تنبولی بچے کا وہ نوکر | رہ گیا فوج سے جدا ہوکر
مال پر جل شہر سے لیتا اسپ | سب دیا راہ میں لٹا یا اسپ
سر بسر تھے عشق کا پتلا | رہ گیا آپ ایک تن تنہا
سر پہ اوسکے جنوں نے جوش کیا | یار رفیقاں وداع ہوش کیا

ہجرت یار میں دل لگا بیٹھا — پیرہن چاک کر کے جا بیٹھا

ہو گیا رفتہ رفتہ سودائی — حیاء آخر کو بھی بہ سودائی

نوک مژگاں سے اشک خوں ٹپکا — فصد کھلوائی تو جنوں ٹپکا

غم چھپایا بہت و لے نہ چھپا — راز ناگفتہ ہو گیا رسوا

تب تو ہونے لگا جو اوسکا گذار — مثل مجنوں کے بر سر بازار

نہ وہ عشرت رہی نہ وہ حسرت — رفتہ رفتہ بگڑ گئی ہیئت

ناوک حسن نے نشانہ کیا — عشق نے عاشق یگانہ کیا

شفقتی اپ جب ہو گئی سال — غم سے گھٹنے لگا وہ بدشال

دن بدن رنگ زرد ہونے لگا — خود بخود دل میں درد ہونے لگا

خفقان دلپہ جو ہوا طاری — آ کے لیٹا بفرش بیماری

لٹ گئی رنگ سرخ کی گلزار — ہو گیا زرد لالہ رخسار

عشق کی لگ گئی نظر اوسکو — مرگ نے آ کے دی خبر اوسکو

کہ تو یا رب نگاہ گرم نہیں — تجھکو نظارگی سے شرم نہیں

منہ چھپا لے کہ ہے حیا بیزار — تجھ سے اے بت ہو خدا بیزار

بس بہت تو نے خود فروشی کی — اب اشارت ہے روپوشی کی

سنتے ہی یہ خبر وہ رشک قمر — آہ بھر کر گیا جہاں سے گذر

یہ خبر شہر میں ہوئی مشہور — کہ وہ حسرت فزاے جلوہ حور

آج دنیا سے نا امید گیا — کتنی تدبیریں کیں و لے نہ بچا

ہوئے مصروف تعزیت اپنے غم — ہو گیا خانہ خانہ ماتم

آخر کار باز بان درد — روئی ماں کر کے یہ بیان درد

کاہے میرے لال تھا تو گھر کا چراغ — تیرے چھٹنے سے ہے جگر پر داغ

غرض ارتھی کو اوسکی کر تیار — لے چلے یکدگر جو خویش و تبار

اوسکے گھر ہی یہ جوان ہی با دل زار — ساتھ ارتھی کے ہو گیا یک بار

کر دیا جب برسم قوم ہنود — مردہ اوسکا سپرد آتش و دود

یہ جوان ایک درخت تھا تھنا — ٹہنی پکڑے ہوئے تھا اوسکی کھڑا

آگ واں جو اوسے جلاتی تھی — اوسکو باطن میں سوخت پاتی تھی

یکدو ساعت میں جب وہ لالہ عذار — ہو گیا جلکے خاک کا انبار

واں سے ہر ایک نے عزم خانہ کیا — آدم ایک پیشتر روانہ کیا

لیک ہونے لگے وہ جب راہی — ہوئے تب اوس جوان سے آگاہی

باپ نے بیٹے سے کہی یہ بات — جاکر اوسکو بھی لے لے اپنی سات

کیونکہ اوسکا انیس ہر دم تھا — وہ جو گل تھا تو یہ بھی شبنم تھا

پاس جا جو نہیں اوسکا پکڑا ہات — کیا کہوں ہائے وہ حمیدہ صفات

گر پڑا جیسے قالب بیجان — نہ رہی خاک اوسمیں تاب و توان

روح کا اوسکی کچھ نشاں نہ ملا — خاک میں کیا وہ نوجوان نہ ملا

عشق کے سوز نے کیا یہ اثر — کہ ہوا بن جلے وہ خاکستر

کیا عجب عشق ہے وہ خانہ خراب — جس سے کھنچ جائے آسمان کی طناب

عشق کی دیکھی جب ہیں یہ بیداد — مجکو مطلع اک انشا آیا یاد

عشق ہی آفت و بلا تو نہیں — اسکا مارا کوئی بچا تو نہیں

ابتو اس داستاں کو کوتہ کر — مصحفی طول عشق کو تہ کر

ہے جو چنگاری ایک شعلہ نما — شعلہ شوق نام ہے اسکا

تمت

۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء